لاینفع مال ولا بنون إلا من أتى الله بقلب سلیم

تذکرہ

حضرت مولانا محمد سلیم صاحب ڈابھیلیؒ

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی مدظلہم

(مہتمم جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک)

کاوش

وسیم ویارا

ناشر

شعبۂ تقریر وتحریر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک

تفصیلات

اسم کتاب:............تذکرہ حضرت مولانا محمد سلیم صاحب ڈابھیلیؒ

کاوش:...وسیم ویارا

زیر سرپرستی:..........حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی زید مجدہ

صفحات:..۱۳۴

ناشر:......................شعبۂ تقریر وتحریر، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل

فہرست

نمبر شمار	عناوین	صفحہ
۞	پیش لفظ	۱۱
	بابِ اول: حیات و خدمات اور اوصاف و کمالات	
۱	ولادت	۱۷
۲	ابتدائی تعلیم	۱۷
۳	تدریسی خدمات	۱۸
۴	کھامبیا میں آپ کی خدمات	۱۸
۵	مٹواڑ میں آپ کی خدمات	۱۸
۶	استاذ محترم جوگواڑ میں	۱۹
۷	جوگواڑ میں آپ کی خدمات	۲۰
۸	نکاح	۲۱
۹	آپ کی تربیتی خدمات	۲۱
۱۰	آپ کی خانقاہی خدمات	۲۲
۱۱	کولہاپور اور ڈابھیل کی پیش کش	۲۳
۱۲	جامعہ ڈابھیل میں آمد	۲۴
۱۳	جامعہ میں خدمات	۲۴
۱۴	سفر حج	۲۵

۱۵	''نگری'' (ڈابھیل) میں فساد اور آپ کی ثابت قدمی	۲۶
۱۶	زندگی میں ایک اور آزمائش	۲۸
۱۷	احتساب اور نصرتِ الٰہی	۳۰
۱۸	اجازت وخلافت	۳۲
۱۹	آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات	۳۴
۲۰	تجہیز وتکفین	۳۶
۲۱	نماز جنازہ	۳۶
۲۲	اخلاقِ حسنہ سے متصف اور اخلاقِ رذیلہ سے متنفر	۳۷
۲۳	معمولاتِ یومیہ	۳۸
۲۴	جمعہ سے پہلے مسجد کا رخ کرنا	۳۹
۲۵	عظمتِ قرآن	۳۹
۲۶	اخلاص وللّٰہیت	۴۱
۲۷	رحمت حق بہانہ می جوید	۴۲
۲۸	تواضع	۴۲
۲۹	قناعت	۴۴
۳۰	زہد ووَرع	۴۴
۳۱	سادگی	۴۵
۳۲	صبر	۴۶

۳۳	ادب	۴۶
۳۴	قبرستان جانا	۴۷
۳۵	معاملات کی صفائی	۴۷
۳۶	مرغیوں کا خیال رکھنا	۴۸
۳۷	اکرامِ مسلم	۴۹
۳۸	غربا سے محبت	۴۹
۳۹	مہمان نوازی	۵۱
۴۰	خوشبو اور عطر	۵۲
۴۱	آپ کا ایک اہم وصف: خوش خطی	۵۲
۴۲	معمولی ہدیہ کو قبول فرمانا	۵۳
۴۳	تدریس کے اوصاف	۵۳
۴۴	طرزِ تعلیم	۵۵
۴۵	طلبہ سے والہانہ تعلق	۵۶
۴۶	طلبہ کی تربیت	۵۹
۴۷	چھوٹوں کی حوصلہ افزائی	۶۰
	بابِ دوم: بکھرے موتی	
۴۸	وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال	۶۴
۴۹	کلامِ پاک کی سفارش	۶۴

۵۰	آیت الکرسی کی فضیلت	۶۵
۵۱	سورۂ یسین	۶۵
۵۲	’’ویل‘‘ کی تفسیر	۶۷
۵۳	قرآنِ کریم میں ذکر خیر	۶۷
۵۴	احسن الخالقین کی ایک جھلک	۶۸
۵۵	مختلف سورتوں کے فضائل	۶۹
۵۶	سایۂ عرش کس کس کو ملے گا؟	۷۰
۵۷	شرکِ اصغر	۷۰
۵۸	پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے اقوال	۷۰
۵۹	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا	۷۱
۶۰	فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۷۲
۶۱	راستے کا حق کیا ہے؟	۷۳
۶۲	نو باتیں	۷۳
۶۳	خلوص	۷۴
۶۴	توشۂ آخرت	۷۴
۶۵	فرمانِ رسول: عصبیت کی مذمت	۷۵
۶۶	جب چاپلوس کو افضل سمجھا جائے	۷۵
۶۷	عیدگاہ آنا جانا	۷۵

۶۸	حیاتِ طیبہ ایک نظر میں	۷۶
۶۹	انبیائے کرام کی عمریں	۷۷
۷۰	وہ چار بچے جنہوں نے بچپن میں بات کی تھی	۷۹
۷۱	وہ چار انسان جن پر تہمت لگائی گئی تھی	۷۹
۷۲	اقوالِ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۷۹
۷۳	ایک واقعہ	۸۰
۷۴	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فراست	۸۱
۷۵	محل میں دو نقص	۸۲
۷۶	عبرت	۸۳
۷۷	میں ایمان کیوں لایا؟	۸۳
۷۸	اللہ والوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کا انجام	۸۴
۷۹	تم پاگل ہو؟	۸۵
۸۰	طلبہ اور مدرّسین کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد	۸۶
۸۱	ایک اللہ والے کی توجہ اور ایمان کی سلامتی	۸۷
۸۲	جو شخص شیخ کے قلب کی حفاظت نہیں کرتا	۸۸
۸۳	حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا اُگالدان پی جانا	۸۹
۸۴	حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے شیخ سے محبت	۸۹
۸۵	ایک تاریخی واقعہ	۹۰

۸۶	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کی ایک جھلک	۹۰
۸۷	شاہِ کسریٰ کا انصاف	۹۱
۸۸	صحبتِ نیک	۹۲
۸۹	صلحا کی صحبت	۹۴
۹۰	ہم مجلسوں کی صورتیں	۹۵
۹۱	شیخ کی توجہ کا اثر	۹۶
۹۲	اولیاء اللہ سے محبت وعقیدت	۹۶
۹۳	نیکوں کی صحبت	۹۷
۹۴	ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ چاہیے	۹۸
۹۵	نماز	۹۹
۹۶	غرور	۱۰۰
۹۷	صبر	۱۰۰
۹۸	اخلاق	۱۰۰
۹۹	غصہ	۱۰۰
۱۰۰	زبان	۱۰۱
۱۰۱	لباس	۱۰۲
۱۰۲	بزرگوں کے اقوال	۱۰۲
۱۰۳	نیک بیوی	۱۰۳

۱۰۴	تکبر اور شرم	۱۰۴
۱۰۵	عہد	۱۰۴
۱۰۶	فرقِ حرام وحلال	۱۰۴
۱۰۷	دلِ زندہ	۱۰۵
۱۰۸	احتیاط	۱۰۵
۱۰۹	اچھی باتیں	۱۰۶
۱۱۰	اقوالِ زریں	۱۰۶
۱۱۱	سنہرے اقوال	۱۰۷
۱۱۲	انمول موتی	۱۰۸
۱۱۳	جواہر پارے	۱۰۸
۱۱۴	نہ بولتے نہ رسوا ہوتے	۱۰۹
۱۱۵	جینے کا ڈھنگ	۱۰۹
۱۱۶	اچھی باتیں	۱۱۰
۱۱۷	دانائی کی باتیں	۱۱۰
۱۱۸	پانچ اندھیرے پانچ چراغ	۱۱۱
۱۱۹	قبول کرنا	۱۱۱
۱۲۰	زندگی	۱۱۱
۱۲۱	بکھرے موتی	۱۱۲

۱۲۲	انمول ہیرے	۱۱۳
۱۲۳	ایک قدیم دستاویز	۱۱۳
۱۲۴	چاہتے ہو	۱۱۴
۱۲۵	مت پھیلا	۱۱۵
۱۲۶	علم کی فضیلت	۱۱۵
۱۲۷	ماں بڑوں کی نظر میں	۱۱۶
۱۲۸	دوستی	۱۱۷
۱۲۹	والدین کے ساتھ سلوک	۱۱۷
۱۳۰	ماں	۱۱۸
۱۳۱	دودو	۱۱۸
۱۳۲	آنکھیں جو پیغام دیتی ہیں	۱۱۹
۱۳۳	بوجھئے اور مسکرائیے	۱۲۰
۱۳۴	خوش کلامی	۱۲۱
۱۳۵	حمدِ پاک	۱۲۲
۱۳۶	نعت پاک	۱۲۳
۱۳۷	اشعار	۱۲۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

بعد الحمد والصلاۃ:

کون نہیں جانتا کہ جو یہاں آیا ہے اسے ایک دن یہاں سے جانا ہے! یہ دنیا گذرگاہ ہے، جائے قیام ومنزل نہیں؛ عقل مند ہے وہ شخص جو اس حقیقت کو جان کر مان لے۔ مصیبت یہ ہے کہ انسان علمی اعتبار سے اکثر جاننے کے باوجود انجان بن کر زندگی گذارتا ہے، اور نتیجہ کے طور پر اپنی حقیقی منزل آخرت میں ناکام ٹھہرایا جاتا ہے۔ کاش! انسان کو اس فانی دنیا میں اس کا استحضار نصیب ہو جاتا کہ یہ مال ودولت، یہ زمین وجائیداد، یہ گاڑی اور کوٹھیاں، یہ دکان ومکان، یہ بیٹے اور پوتے، یہ ''تن اور دھن'' اس روز کچھ کام نہ آئے گا، کام آئے گا تو صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے تڑپتا ہوا ''مَنْ''، ﴿یوم لا ینفع مال ولا بنون، إلا من أتی اللہ بقلب سلیم﴾۔

ہمارے ممدوحِ گرامی حضرت مولانا محمد سلیم صاحب واجھہ (لال) ڈابھیلیؒ بھی اِنشاء اللہ ایسے ہی خوش قسمت انسانوں میں شامل ہوں گے جنھوں نے اس فانی دنیا میں اس زہد وقناعت اور صبر ورضا والی زندگی گذاری، نہ کوئی تکلف نہ کوئی بناوٹ، نہ کوئی شور نہ کوئی شغب؛ موٹا جھوٹا پہن کر، روکھا سوکھا کھا کر اللہ اللہ کرتے رہے، اور جب وقت موعود آیا تو چپکے سے ''سلیم'' اپنا قلبِ سلیم لیے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

راقم کے زمانۂ طالب علمی کا پورا دَور جامعہ ڈابھیل میں ہی گذرا؛ مگر مولانا سے ''گفت وشنید'' کے بہ جائے ''دید'' ہی کا تعلق رہا، تدریس کے دوسرے سال جب شعبۂ

تقریروتحریر کے پلیٹ فارم سے ''الدین'' کے سال نامے کی اشاعت کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے حوصلہ افزائی پر مشتمل مولانا کا خط ملا، جو انھوں نے شعبۂ تقریروتحریر کے ذمہ داران کے نام تحریر فرمایا تھا۔ امید وبیم کی کیفیت میں اٹھائے گئے قدم مولانا کے اس تأثراتی خط سے مضبوط ہوگئے اور چند سطروں سے سیروں خون بڑھ گیا۔ وہ خط راقم نے سرمایہ جان کر بڑے اہتمام سے سنبھال رکھا تھا، آج جب یہ سطریں لکھ رہا ہوں جی چاہتا ہے کہ وہ مختصر خط بھی قارئین کے حضور پیش کردوں، جس کے لفظ لفظ سے شفقت ومحبت، حوصلہ افزائی وذرہ نوازی اور توجہات ودعاؤں کی خوشبو پھوٹ رہی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنونہ!

ممبرانِ شعبۂ تقریروتحریر جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل سملک!

آپ حضرات کی طرف سے ''الدین'' کتاب موصول ہوئی، پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، بہت ہی عمدہ ہے۔ واقعتاً طلبۂ کرام نے بہت محنت اور مشقت برداشت کر کے لکھا ہے، آگے جا کر یہی طلبہ دین کی بہت کچھ خدمت کر سکتے ہیں، اور ان شاء اللہ قوم کے مقتدیٰ بنیں گے۔

من طلب العلیٰ سهر الليالي		بقدر الكد تكتسب المعالي

دعا ہے: اللہ تعالیٰ ان طلبہ کو مزید ترقیات سے نوازے اور ان کو خوب طاقت اور قوت دے تاکہ وہ خوب اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کرے۔ اور جو ان کے معاونین حضرات ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی بہتر بدلہ عطا کرے آمین۔

ابومحمد سلیم واجھہ ڈابھیلی غفرلہ، ۷رمئی ۲۰۱۴ء بروز بدھ

آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب حضرت مولانا سلیم صاحب واجھہؒ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے، جسے ان ہی کے ایک پسندیدہ شاگرد وسیم ویارا (متعلم جامعہ ڈابھیل) نے ترتیب دیا ہے۔ کتاب ان کے استاذِ بافیض کی یادوں کا حسین مجموعہ ہے اور کتاب کا لکھنے والا استاذ کی محنتوں، شفقتوں اور دعاؤں کی یادگار، ایسے نہ جانے کتنے کندۂ ناتراش ہوں گے جنھیں مولانا کی عقابی نظر نے تاڑ کر سلیقے سے تراشا، اور اب وہ مختلف خطوں میں دینی خدمات انجام دے کر اپنے شفیق استاذ کے لیے صدقۂ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

ایک پتھر کی بھی تقدیر بدل سکتی ہے		شرط یہ ہے کہ سلیقے سے تراشا جائے

مدارس وجامعات اس وقت قحط الرجال کے شکار ہیں، مردم ساز وجوہر شناس اساتذہ کمیاب؛ بلکہ نایاب ہوتے جارہے ہیں، خدا کرے کہ مرحوم کی یہ صفات ہمارے لیے مشعلِ راہ ہوں، اور ان کی وفات حسرت آیات سے جامعہ میں جو خلا ہوا ہے وہ بعافیت پُر ہو۔

راقمِ سطور اس موقع سے حضرت اقدس مولانا احمد صاحب بزرگ مدظلہ العالی (مہتمم جامعہ ہذا) سمیت ان تمام حضرات کا مشکور ہے جنھوں نے اس کتاب کی تیاری میں دامے، درمے، قدمے، سخنے حصہ لیا۔ فجزاهم الله أحسن الجزاء.

اللہ تعالیٰ اس کتاب کو نافع بنائے، اور مرتب کو مزید خدماتِ دینیہ وعلمیہ کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔ فقط والسلام

معاذ عبدالرزاق چارولیہ (خادم جامعہ ہذا)

مؤرخہ: یکم جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۸؍فروری ۲۰۱۸ء

بابِ اول

حیات و خدمات

اور

اوصاف و کمالات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولادت

حضرت الاستاذ کی ولادت با سعادت گجرات کے ایک مشہور علمی و دینی قصبہ ''ڈابھیل'' کے ''اونچے محلہ'' میں ۶/دسمبر ۱۹۵۷ء کو ہوئی۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم ''ڈابھیل'' ہی میں ''اونچا محلہ'' مسجد کے مکتب میں حاصل کی۔اس کے بعد حفظِ قرآن کریم کے لیے ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل'' میں داخلہ لیا، آپ نے حفظ کی تکمیل ''جناب حافظ ابراہیم صاحب سلو رحمۃ اللہ علیہ'' کے پاس کی۔ پھر اردو سے لے کر عربی اول تک کی تعلیم ''مدرسہ مفتاح العلوم تراج'' میں حاصل کی، اس کے بعد دوبارہ ''جامعہ'' میں تشریف لائے، اور عربی دوم میں مولانا یوسف صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، اسی طرح سال بہ سال محنت کرتے ہوئے جامعہ ڈابھیل ہی سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی، آپ کے رفقائے درس میں حضرت مولانا اسد اللہ صاحب ایرانی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا نذیر احمد نند اسنی رحمۃ اللہ علیہ (یہ دونوں حضرات مرجع العلما والصلحا حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری ادام اللہ فیوضہم کے خلیفہ تھے۔) اور حضرت قاری عبد الرحمن صاحب بزرگ مدظلّہ العالی کا شمار ہوتا ہے۔حضرت الاستاذ نے قرأتِ حفص کی تکمیل حضرت قاری احمد اللہ صاحب بھاگلپوری دامت برکاتہم کے پاس کی۔ بخاری شریف حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھی، اور ساتھ ہی ان کی خدمت کا شرف بھی آپ کو حاصل رہا، حضرت

الاستاذ کی زبانی یہ بات بارہا سنی کہ:

''شیخ الحدیث مولانا ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اخیر زندگی میں بہت ضعیف ہو چکے تھے، اس وقت میں ہی حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت کیا کرتا تھا''۔

تدریسی خدمات

انسان کے لیے اس کی زندگی کا سرمایہ اس کی نیک اولاد اور شاگرد ہوتے ہیں، جو اس کے لیے صدقۂ جاریہ بنتے ہیں، چناں چہ اس سعادت کے حصول کی خاطر آپ نے مختلف علاقوں: عالی پور، مٹوار، جوگواڑ اور ڈابھیل میں تدریسی خدمات انجام دیں، جس کی وجہ سے سینکڑوں تلامذہ صدقۂ جاریہ کے طور پر اپنے پیچھے چھوڑے۔

کھا مبیا میں آپ کی خدمات

۱۴۰۳ھ میں آپ جامعہ ڈابھیل سے فارغ ہوئے، فراغت کے بعد ۱۹۸۳ء مطابق ۱۴۰۴ھ میں جامعہ رحمانیہ کھانبیہ محلہ عالی پور سے درجۂ حفظ میں تدریسی خدمات کا آغاز فرمایا۔ یہاں آپ کا قیام طویل نہیں رہا، تقریباً ایک سال تک آپ یہاں درجۂ حفظ سے منسلک رہے، اس کے بعد آپ مٹواڑ تشریف لے گئے۔

مٹواڑ میں آپ کی خدمات

ضلع نوساری کے مٹواڑ گاؤں میں ''مدرسہ سراج العلوم'' کا ابھی آغاز ہوا تھا، مدرسہ کا بالکل ابتدائی دور تھا، اس مدرسہ میں ۱۹۸۴ء مطابق ۱۴۰۵ھ میں استاذِ حفظ کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوا، یوں سمجھئے کہ مولانا وہاں کے ابتدائی اساتذہ میں سے ایک

استاذ ہیں۔ آپ نے یہاں دو سال تک خدمات انجام دیں، آپ کے شاگرد مولانا محمد فاروق صاحب مٹواڑی کا بیان ہے کہ: استاذ نے مٹواڑ میں طلبہ پر دل وجان سے محنت کی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ: ہم طلبہ زیادہ تعداد میں تھے اور وقت کم رہتا تھا؛ اس لیے تمام طلبہ کے سننے کی گنجائش نہیں تھی؛ مگر استاذ نے اپنے آرام کے وقت کو طلبہ کے لیے فارغ کر رکھا تھا، اسی وجہ سے ہمارا شام کا آموختہ ظہر کی نماز سے پہلے تقریباً دو پہر میں ایک بجے (جو عام طور پر مدارس میں آرام کا وقت ہوتا ہے) مسجد میں بلا کرسن لیا کرتے تھے۔ حافظ ہونے والے طلبہ پر آپ کی خصوصی توجہ رہتی تھی، دن کو آموختہ سننے کے ساتھ ساتھ رات کو عشا کے بعد نوافل میں بھی قرآن سنتے تھے، جو دراصل تراویح کی مشق تھی۔ یہاں آپ کی خدمات دو سال یعنی ۱۹۸۴ء، ۱۹۸۵ء مطابق ۱۴۰۵ھ، ۱۴۰۶ھ تک رہیں۔

استاذِ محترم جوگواڑ میں

اسی اثنا میں ۱۴۰۶ھ کے قریب قریب ’’جوگواڑ‘‘ (ضلع نوساری) میں ’’جامعہ زکریا‘‘ کی بنیاد رکھی گئی اور اہتمام حضرت مولانا یوسف صاحب مایت مدظلّہ کے سپرد ہوا، حضرت مولانا یوسف صاحب اپنے جامعہ کی ترقی کے لیے جید، محنتی اور جفاکش علما کو تلاش کر کر کے اکٹھا کرنے لگے، آپ کو کسی نے مولانا سلیم صاحب واچھا کی اطلاع دی کہ مولانا نے مٹواڑ میں خدمت ترک کر دی ہے۔ چناں چہ مولانا یوسف صاحب مدظلہ اپنے جامعہ کی طرف سے دعوت نامہ لے کر استاذِ محترم کو لینے کے لیے خود بنفسِ نفیس تشریف لائے، آپ نے مولانا کی دعوت قبول کر لی اور ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں

استاذِ حفظ کی حیثیت سے جوگواڑ پہنچے۔

جوگواڑ میں آپ کی خدمات

جوگواڑ میں آپ نے چھ سال قیام فرمایا؛ مگر وہ عظیم خدمات انجام دیں جسے تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ جوگواڑ میں آپ نے حفظ کے طلبہ پر بہت ہی محنتیں کی ہیں؛ کیوں کہ یہ آپ کی عین جوانی کا وقت تھا، خون میں حرارت تھی، فجر سے پہلے ہی طلبہ کا سبق سن لیا کرتے تھے۔ چناں چہ اپنے پاس پڑھنے والے بچوں کو اٹھانے کے لیے خود ان کے کمروں میں تشریف لے جاتے تھے۔ پیار ومحبت سے انہیں بیدار کرتے اور تہجد کی نماز پڑھوا کر سبق سنانے میں مشغول کردیتے تھے؛ حالانکہ مدرسہ کی طرف سے آپ اس خدمت کے باقاعدہ مکلف بھی نہ تھے۔ کبھی غسل کا تقاضا ہوتا اور سردی سخت ہوتی تو بھی طلبہ سے بہت پہلے بیدار ہوتے اور گرم پانی کا انتظار کیے بغیر ٹھنڈے پانی ہی سے غسل فرما کر جلد سے جلد حاضر ہوجاتے۔ اسی قربانی کی برکت تھی کہ آپ کے پاس حافظ ہونے والے طلبہ پختہ حافظِ قرآن کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان چھ سالوں میں کئی طلبہ نے آپ کے پاس حفظِ قرآن کی تکمیل کی، حافظ ہونے والے طلبہ پر تو خصوصی توجہ ہوتی تھی، دن بھر آموختہ پختہ کرانے کے باوجود رات میں بعد العشا اور تہجد میں خود طلبہ کے ساتھ کھڑے ہوکر قرآن سنتے تھے اور بعض طلبہ کا اوابین میں بھی قرآن سنا کرتے تھے۔

نکاح

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا رشتہ ڈابھیل ہی کی ایک نیک خاتون سے طے پایا، ۱۹۸۶ء مطابق

۲/ محرم الحرام ۱۴۰۶ھ جوگواڑ کی جامع مسجد میں جمعہ کے دن شیخ رضا صاحب اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح پڑھایا۔

نکاح کے دن طلبہ بہت خوش تھے کہ آج استاذ کا نکاح ہوا ہے تو وہ اپنے گھر ڈابھیل ضرور تشریف لے جائیں گے، اور سنیچر واتوار دو دن کی چھٹی ہوگی۔ مگر جمعہ ہی کے دن مغرب کے بعد درسگاہ میں نگرانی کے لیے تشریف لے آئے، اور پورا ہفتہ مدرسہ ہی میں رہے، اور جمعرات کی شام کو اپنے گھر تشریف لے گئے۔

آپ کی تربیتی خدمات

راقم الحروف اس کتاب کی ترتیب کے وقت معلومات حاصل کرنے کی غرض سے جوگواڑ پہنچا، آپ کے پرانے دوستوں، شاگردوں اور مہتمم صاحب سے ملاقات کی، اُس وقت جامعہ زکریا کے مہتمم مولانا یوسف صاحب مایت مدظلہ العالی تھے، فی الحال مولانا یوسف صاحب مدظلہ جوگواڑ میں مدرسۃ البنات کے اہتمام پر فائز ہیں، بندے نے مولانا سے اپنا تعارف کرایا اور کہا کہ: میں مولانا سلیم صاحب واجھا کا شاگرد ہوں، اور اپنے استاذ کے حالات کے سلسلہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، فرمانے لگے: ”قاری صاحب تو قاری صاحب تھے، اب تو ایسا انسان کہاں ملے گا۔ اب ایسے مدرِّس ملنا مشکل ہے۔ جس وقت جامعہ زکریا کا قیام عمل میں آیا اور آپ استاذِ حفظ کی حیثیت سے یہاں تشریف لائے، ہم نے آپ کے ساتھ مل کر طلبہ کی ہر طرح سے اصلاحی فکر کی، مولانا نے طلبہ پر بہت محنت کی تھی، اس وقت ہم نے دیکھا کہ طلبہ نماز میں غافل کھڑے رہتے ہیں، کوئی داڑھی میں ہاتھ ڈالے کھڑا ہے تو کوئی اور کسی غفلت

میں، ہم نے سوچا کہ اس معاملے میں کچھ کرنا چاہیے، اللہ ہمیں بھی اپنی نماز کی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے، پھر مولانا نے یہ فیصلہ کیا کہ میں گاؤں کی دوسری مسجد میں جامعہ کی نماز ہونے سے پہلے نماز پڑھ کر کے آجاؤں گا، اور طلبہ کی مسجد میں نگرانی کروں گا۔ چناں چہ واقعتا آپ ایسا ہی کرنے لگے، گاؤں کی دوسری مسجد میں جلد نماز پڑھ کر آجاتے اور طلبہ کی صفوں کے پیچھے چھڑی لے کر چکر لگاتے، اب کسی بھی طالبِ علم کو غافل دیکھتے یا کسی اور لغو کام میں تو فوراً اس چھڑی کے ذریعے آہستہ سے اس طالبِ علم کے پیر پر ٹچ کر دیتے اس سے وہ طالبِ علم سمجھ جاتا کہ مجھ سے کوئی غلطی ہورہی ہے، اور وہ خود اس کی اصلاح کر لیتا۔ مولانا فرماتے ہیں: کبھی میں بھی ان کے ساتھ دوسری مسجد سے نماز پڑھ کر کے آجاتا تھا اور ہم دونوں چھڑی لے کر چکر لگاتے۔ اس طرح سے مولانا نے طلبہ کی تربیت کا بھی خوب خیال رکھا، آپ طلبہ کو اوابین میں بھی تلاوتِ قرآن کا پابند بناتے تھے۔

آپ کی خانقاہی خدمات

حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی مدظلہم (بانئ جامعہ زکریا جوگواڑ خلیفۂ اجل حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ) مولانا سلیم صاحب سے بڑی محبت رکھتے تھے، آپ کی خانقاہ میں چہل درود شریف کی ذمہ داری استاذِ محترم ہی کے سپرد تھی۔ حضرت مولانا اقبال صاحب دیسائی مدظلّہ کا بیان ہے کہ ہمارے حضرت (مولانا ہاشم صاحب) حافظ نہیں تھے؛ مگر بعد میں جب خود شوق سے قرآنِ کریم حفظ کیا تو اس وقت مولانا سلیم صاحب ہی کو اپنا قرآن سنانے کے لیے منتخب کیا اور پورا قرآن سنایا

اور جب ہمارے حضرت نے جامعہ زکریا میں تراویح میں قرآن سنایا تو اس وقت تراویح میں آپ کے پیچھے کھڑے رہنے کی ذمہ داری مولانا سلیم صاحب ہی کے سپرد تھی۔

کولہا پور اور ڈابھیل کی پیش کش

استاذ کی زبانی یہ بات خود بندے نے سنی کہ: مولانا اسعد اللہ صاحب ایرانی رحمۃ اللہ علیہ میرے ہم درس ہیں، طالبِ علمی کے زمانے سے ہی مجھ سے بڑی محبت رکھتے تھے، میری فراغت کے بعد مجھے اپنے ساتھ اودگاؤں (کولہا پور) اپنے والد کے مدرسہ میں لے جانا چاہتے تھے، فراغت کے بعد گھر پہنچ کر انہوں نے وہاں سے دعوت نامہ بھیجا اور ساتھ ہی کرایہ بھی بھیجا، میں نے اپنے گھر والوں سے اجازت طلب کی، میرے گھر والے مجھے دور بھیجنے سے گھبراتے تھے، اور اودگاؤں (مہاراشٹر) کافی دور ہے، اس لیے گھر والوں نے اجازت نہیں دی، اس کے بعد میں نے اجازت نہ ملنے کا خط روانہ کیا اور اسی کے ساتھ کرایہ بھی واپس بھیج دیا۔

اور دوسری طرف جامعہ ڈابھیل میں حضرت مولانا سعید صاحب بزرگ رحمۃ اللہ علیہ مجھے مدرس کے طور پر رکھنا چاہتے تھے، انہوں نے بالواسطہ یہ پیغام بھی بھیجا کہ وہ بچہ گاؤں کا ہے، اس سے کہو کہ یہاں آجائے اور یہیں پر پڑھائے، مگر عزیزو! میں تمہیں کیا بتاؤں کہ حضرت مولانا سعید صاحب بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کیسے انسان تھے، ان کا رعب فقط طلبہ تک محدود نہ تھا؛ بلکہ اساتذہ بھی ان سے کانپتے تھے، ان کا یہ معمول تھا کہ ہر درسگاہ کی کھڑکی پر جا کر کھڑے ہو جاتے اور بذاتِ خود طلبہ کا سبق وآموختہ سنتے اور اساتذہ کا طلبہ کے ساتھ سلوک ومعاملہ بھی دیکھتے، کسی بھی معاملہ میں انہیں ذرا سی بھی گڑبڑ محسوس ہوتی تو

فوراً ٹوک دیتے تھے اور اگر انہیں یہ لگتا کہ یہ استاذ جامعہ کے کام کا نہیں تو اسے بے تکلف روانہ بھی کر دیتے تھے، مجھے حضرت سے بہت ڈر لگتا تھا، آپ کے رعب ہی کی وجہ سے آپ کی حین حیات میں جامعہ میں نہیں آیا اور دوسری جگہ خدمت میں مشغول ہو گیا۔

جامعہ ڈابھیل میں آمد

اس کے بعد استاذ فرمانے لگے: جوگواڑ میں طلبہ کی تربیتی ذمہ داری میری تھی، جب یہاں ڈابھیل میں ۱۴۱۱ھ میں حضرت مولانا سعید صاحب بزرگ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا، آپ کے خلفِ رشید حضرت مولانا احمد بزرگ مدظلّہ العالی اپنے والد کی جگہ اہتمام پر فائز ہوئے تو انہوں نے مجھے دوبارہ دعوت دی، میں نے ڈابھیل جانے کا ارادہ کرلیا، جوگواڑ والے مجھے منع کرنے لگے کہ آپ نہ جایئے، آپ کی یہاں ضرورت ہے، ہم آپ کو یہاں کا مہتمم بنادیں گے؛ مگر میں نے ایک نہ سنی، کیوں کہ مجھے تو اپنے وطن اور مادرِ علمی سے محبت تھی، چناں چہ میں ۱۹۹۲ء میں ڈابھیل چلا آیا۔

جامعہ میں خدمات

حضرت الاستاذ نے جامعہ ڈابھیل میں طویل عرصہ تک غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ تقریباً آپ نے جامعہ ڈابھیل میں ۲۴/سال پڑھایا، مشہور تھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے والے طلبہ پختہ حافظ قرآن ہوتے تھے، آپ نے اپنے تدریسی دور میں ایسا کوئی کام نہیں کیا جس کی وجہ سے اہتمام یا کسی استاذ کو کوئی شکایت ہو، وقت کی

پابندی اور معاملات کی صفائی کی وجہ سے جامعہ کے تمام اساتذہ اور ملازمین آپ کا بڑا اکرام واحترام فرماتے تھے، استاذ کے شاگردوں کا بیان ہے کہ: وقت کی پابندی اور غیر حاضری سے پرہیز کا یہ عالم تھا کہ اگر کہیں جامعہ کی طرف سے چندے کے لیے یا کسی دوسرے مدرسے میں امتحان کے لیے تشریف لے جاتے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد اگر صرف ۱۰، ۱۵/ منٹ بھی باقی ہوتی تو بھی فوراً آپ درسگاہ میں تشریف لے آتے۔ اگر کبھی کسی ضروری کام سے جانا ہو تو بھی دفترِ اہتمام سے رخصت لے کر جایا کرتے تھے چاہے ۱۰، ۲۰/ منٹ کا کام ہو۔

سفرِ حج

استاذ کی بڑی تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ حج کی سعادت سے سرفراز فرمائے، اس لیے ایک عرصے سے اس کی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور فرماتے تھے: وہ ایسی پاکیزہ سر زمین ہے کہ اس سے بہتر دنیا میں کوئی جگہ ہے ہی نہیں، دنیا میں کسی جگہ جانے کی کوئی تمنا نہیں، بس! ایک ہی تمنا ہے: اللہ مجھے اپنے در پر حاضری کی سعادت عطا فرمائے۔ میں دعا بھی کرتا تھا، اسباب کی دنیا میں انتظام کچھ نہیں تھا؛ مگر رب الاسباب اللہ نے سارا انتظام فرما دیا اور میرے حق میں دعا قبول فرمائی۔ ۲۷/ ۱۰/ ۲۰۰۸ کو آپ مع اہلِ خانہ حج کے لیے تشریف لے گئے۔ یہ استاذ کا پہلا اور آخری حج تھا، اس وقت آپ کی صحت بھی ماشاء اللہ بہت اچھی تھی۔ اس سفر میں آپ کو مشہور صوفیٔ وقت حضرت حافظ یحییٰ پیرامنی المعروف بہ باجی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ رہنے کا موقع ملا، اس لیے زیادہ سے زیادہ اوقات ذکر واذکار اور عبادات میں گزرے۔

اس سفر کے دوران بھی استاذ کو طلبہ ہی کی فکر لاحق تھی، معلوم نہیں میرے بچوں کا کیا حال ہے؟ میرے جانے کے بعد ان کی تقسیم ہوئی یا نہیں ہوئی؟ مگر یہاں تقسیم نہیں ہوئی تھی؛ بلکہ جس سال استاذ حج میں تشریف لے گئے اسی سال جامعہ میں درجۂ حفظ کے لیے حضرت قاری افضل صاحب مدظلہ کا تقرر ہوا اور ہماری پوری کلاس قاری صاحب کے سپرد کردی گئی۔ اور جب اس بات کی اطلاع استاذ کو حرمین شریفین میں ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئے اور دل کو اطمینان ہوگیا، استاذ کے حج سے واپس تشریف لانے تک آپ رحمۃ اللہ علیہ کی درسگاہ کے تمام طلبہ نے قاری افضل صاحب ہی کے پاس پڑھا۔

جب حج سے واپس تشریف لائے تو بہت خوش تھے۔ ہم سب طلبہ کو اپنے گھر بلایا اور مصافحہ ومعانقہ کر کے ہر ایک طالبِ علم کو تسبیح، زمزم کی بوتل اور کچھ کھجوریں عنایت فرمائیں، اس سفر کے بعد ایک طویل عرصے تک مزے لے لے کر عاشقانہ انداز میں وہاں کا تذکرہ کرتے رہے۔

''نگری'' (ڈابھیل) میں فساد اور آپ کی ثابت قدمی

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حالات کے سامنے جم کر مقابلہ کرنے کی بڑی ہمت عطا فرمائی تھی۔ حالات سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوتے تھے، اور نہ اپنی زبان پر شکوہ کے کلمات لاتے۔ ۲۰۱۵ء میں عید الاضحیٰ کے موقع پر جب ڈابھیل میں تصادم ہوا اور حالات بہت بگڑ گئے تو چوں کہ یہ واقعہ ''نگری'' میں ہی پیش آیا تھا، پولیس والوں کی گاڑیاں بار بار آتیں اور راستہ پر جو کوئی مسلمان نظر آتا اسے اٹھا کر کے لے جاتی، کئی لوگوں کو گرفتار کیا گیا، ''نگری'' کے اکثر باشندے خوف کے مارے اپنی بستی چھوڑ کر

ادھر ادھر روپوش ہو گئے تھے، پورے گاؤں میں خوف وہراس کی لہر دوڑ رہی تھی، دن میں بھی ہر طرف سناٹا چھایا رہتا، جامعہ کے طلبہ پر بھی احاطۂ مدرسہ سے باہر نکلنے پر پابندی تھی، مگر قربان جایئے حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی طاقت وجواں مردی پر کہ نگری چھوڑ کر کہیں جانا گوارہ نہیں کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ پولیس والوں کے سامنے سے آتے جاتے تھے؛ مگر کسی کو کسی قسم کی کوئی تکلیف پہنچانے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب ظلم بہت بڑھ گیا تو لوگوں نے استاذ کو بہت سمجھایا، کئی شاگردوں نے کہا کہ: استاذ مع اہلِ خانہ کے ہمارے گھر تشریف لے آئیں، مگر ہر ایک کو منع کر دیا۔ ایک روز مہتمم صاحب نے بھی "نگری" میں رہنے کا منع فرما دیا اور جامعہ ڈابھیل کے استاذ مفتی معاذ صاحب مدظلّہ کے گھر پر رہنے کا انتظام کر دیا، تب تعمیلِ حکم میں صرف ایک دن کے لیے مفتی صاحب کے گھر پر قیام کے لیے تشریف لے گئے۔ مگر چوں کہ کسی کے سامنے کسی بھی چیز کی محتاجگی ظاہر کرنا آپ کے مزاج مبارک کے بالکل خلاف تھا، اس لیے دوسرے دن سے دوبارہ اپنے گھر تشریف لے جانے لگے۔ دن کا پورا وقت اپنی درسگاہ میں ہی گزارتے، حتیٰ کہ کھانا بھی درسگاہ ہی میں کھاتے، کھانا بھی کیا تھا دودھ اور روٹی، پھر جب مصیبت اور بڑھ گئی تو میں نے خود دیکھا کہ مدرسہ کے تمام طلبہ دوپہر کے وقت میٹھی نیند سو رہے ہیں، اور استاذ مسجد میں تسبیح لے کر بیٹھے ہوئے ہیں، دل ہی دل میں اپنے رب سے مناجات کر رہے ہیں، ایسے پر خطر حالات میں بھی آپ باطل سے مرعوب نہیں ہوئے، اور جادۂ حق پر ثابت قدم رہے۔ حالاں کہ یہ وہ وقت تھا کہ بستی کا ایک ایک فرد اپنے گھر والوں سے بچھڑ گیا تھا، استاذ کے نوجوان فرزندان بھی اس وقت کسی دوسری جگہ پناہ گزیں ہو چکے تھے، مگر اس بندۂ خدا کی ہمت وجرأت تو دیکھئے، اپنے رب کی یادوں میں بوریا

بچھائے اپنے آپ کو محفوظ یقین کیے ہوئے ہیں، جب کہ لوگ اپنے آپ کو محفوظ کرنے کے لیے ہزاروں تدبیریں اور جتن کررہے تھے۔

انہیں دنوں کا ذکر ہے کہ: ایک مرتبہ ''نگری'' میں جاتے وقت ایک انسپکٹر نے پکڑا، اس وقت استاذ کے ساتھ ایک طالبِ علم بھی تھا، جو استاذ کو بائیک کے ذریعہ گھر پہنچانے کے لیے آیا تھا، پولیس انسپکٹر اِدھر اُدھر سوالات کرنے لگا، استاذ نے صاف صاف کہہ دیا کہ: میں بیمار آدمی ہوں اور چل نہیں سکتا؛ اس لیے مدرسہ کا یہ بچہ مجھے گھر پہنچانے کے لیے آیا ہوا ہے، پولیس والے نے جب دیکھا کہ یہ کسی مجرم کا چہرہ نہیں؛ بلکہ کوئی بھولا بھالا شخص ہے، تو اس نے طالبِ علم کو تو بستی کے باہر ہی روک لیا؛ مگر استاذ کو گھر تک پہنچانے کے لیے اپنا ایک آدمی بھیجا کہ جاؤ، اس بھائی کو ان کے گھر چھوڑ آؤ، اور اس دوسرے پولیس والے نے استاذ کو ان کے گھر تک پہنچا دیا۔

زندگی میں ایک اور آزمائش

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ روزانہ مغرب کے بعد جامعہ میں نگرانی کے لیے پابندی سے حاضر ہوتے تھے، طلبہ کا ناظرہ بھی سنتے تھے، درسگاہ میں بیٹھ کر زبانی قرآنِ کریم کی تلاوت بھی فرمایا کرتے تھے اور اپنے وقت پر گھر واپس لوٹ جاتے تھے، چوں کہ اخیر عمر میں بیماری کی وجہ سے پیدل نہیں آسکتے تھے؛ اس لیے اپنے صاحبزادے کے ساتھ آیا کرتے تھے۔

۲۰/ فروری بروز: سنیچر کو حسبِ معمول گھر سے نکلے؛ مگر کسے پتہ تھا کہ آج آپ کی زندگی میں ایک ناگہانی آزمائش آنے والی ہے، مدرسے کے گیٹ کے پاس پہنچے ہی

تھے کہ ایک کار والے نے زور کی ٹکر ماری، چوں کہ کار تیز رفتار تھی؛ اس لیے بائیک دور جا گری۔ اِدھر راقم مسجد سے نکلا ہی تھا کہ ایکسیڈنٹ کی بھیانک آواز کانوں میں پہنچی، فوراً دوڑا کہ دیکھوں کیا ہوا؟ دیکھا کہ دو شخص راستہ پر زخمی حالت میں پڑے ہوئے ہیں، مدرسے کے دوسرے طلبہ بھی بھاگے، اب طلبہ کسی شخص کو اٹھا رہے تھے اور دوسرا شخص راستے کے کنارے پر پڑا ہوا تھا، میں نے جب دیکھا کہ یہ کون شخص ہے تو معلوم ہوا کہ استاذ کے بڑے صاحبزادے مولوی جنید سلمہ ہیں، میں فوراً سمجھ گیا کہ یہ دوسرا شخص جو راستے کے بیچ گرا ہوا ہے وہ کوئی اور نہیں؛ بلکہ میرے محبوب استاذ حضرت مولانا سلیم صاحب ہیں، میں فوراً اٹھانے کے لیے لپکا، میرے ہوش اڑ گئے، اتنے میں استاذِ محترم حضرت مولانا رشید احمد صاحب سیلوڈوی مدظلہ وہاں آ پہنچے اور پوچھنے لگے کہ: کون ہے؟ میری آواز بھی نہیں نکل رہی تھی، پھنسی ہوئی آواز سے کہا: جامعہ کے استاذ حضرت مولانا سلیم صاحب ہیں، مولانا دوسرے طلبہ کو اشارہ سے کہنے لگے: ان کو دیکھو، ان کو دیکھو، راقم قریبی ہسپتال گارڈی کی طرف بھاگا، جلدی سے ہسپتال پہنچ کر خبر دی، اسٹیچر لے کر بھاگا اور جلدی جلدی امبولنس لے کر پہنچا، راقم نے اور دوسرے طلبہ نے مل کر استاذ کو اٹھا کر اسٹیچر پر سلایا، میرے کپڑے بھی خون والے ہو گئے، دوسرے طلبہ کو ڈاکٹروں نے باہر نکال دیا؛ مگر میں تو استاذ کے ساتھ ہی رہا، استاذ اپنے اللہ کو پکار رہے تھے: اے اللہ! یہ کیا ہو گیا؟ اے اللہ! یہ کیا ہو گیا؟ میں نے کہا: استاذ! فکر نہ کیجیے، میں وسیم احمد ویارا آپ کے ساتھ ہوں، استاذ فرمانے لگے: وسیم! یہ کیا ہو گیا؟ پھر رونے لگے۔ استاذ کے کپڑے خون میں تر بتر ہو چکے تھے، کپڑے پھٹ چکے تھے، بایاں ہاتھ تو اسی وقت نیچے لٹک چکا تھا۔ استاذ مجھ سے کہنے لگے: وسیم! میرا بایاں ہاتھ اٹھاؤ، میرا

بایاں ہاتھ اٹھاؤ، میرا ہاتھ ہے کہ نہیں؟ میں نے کہا: جی موجود ہے، کہنے لگے: مجھے اٹھا کر دکھاؤ، اٹھا کر دکھایا دراصل وہ ہاتھ جوڑ سے بالکل جدا ہوکر لٹک گیا تھا اور مرتے دم تک وہ لٹکتا ہی رہا۔

میں نے استاذ ہاتھ سے گھڑی نکال لی اور ٹوپی بھی اتار لی، پیر کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی تھی، نیز راستہ پر گرنے کی وجہ سے سڑک کا مار بھی لگا تھا، اور زخم بھی کافی گہرے تھے، منہ میں مٹی بھر چکی تھی، زبان پر بھی مٹی تھی، ڈاڑھی میں گھاس اور کچرا پھنس گیا تھا، میں نے پہلے داڑھی صاف کی، پھر استاذ سے کہا: منہ کھولیے۔ زیادہ ہوش نہیں تھا، پھر بھی منہ کھولا، زبان باہر نکالی، میں نے ڈاکٹر سے روئی لے کر پانی میں بھگوئی اور منہ میں سے مٹی نکال کر زبان صاف کی۔ ڈاکٹروں نے دیکھا کہ زخم گہرے ہیں اور آپریشن کرنا ضروری ہے؛ اس لیے ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ: نوساری لے جانا پڑے گا۔ ایمبولنس منگوائی گئی اور فوراً نوساری کے لیے روانہ کر دیا گیا، بالآخر نوساری میں آپریشن کر کے راڈ ڈالی گئی۔

احتساب اور نصرتِ الٰہی

راقم الحروف بعد میں عیادت کے لیے ہسپتال پہنچا، خیر خیریت پوچھی اور دلاسہ دینے لگا۔ عجیب سا منظر تھا ''چھوٹا منہ بڑی بات''! میں کہنے لگا: استاذ! اللہ کے یہاں اس کے تمام بندوں کے مقام متعین ہیں، کسی کا مقام بلند سے بلند ہوتا ہے، مگر وہ اس مقام تک بہ آسانی نہ پہنچ سکتا ہو تو پھر اللہ اس پر حالات ڈال کر اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں۔ اللہ آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمانا چاہتے ہیں؛ اسی لیے یہ حالات پیش آئے

ہیں۔ فرمانے لگے: ہاں ہاں! مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور بہترین بدلہ دے گا۔ اس کے بعد استاذ کی وہ گھڑی جو ایکسیڈنٹ کے وقت نکال لی تھی سپرد کی اور استاذ کی دعا لیتا ہوا واپس لوٹ آیا۔

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزہ دیکھ		دنیا میں ہی بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

اس آپریشن اور علاج معالجہ میں تین لاکھ یا اس سے کچھ زائد خرچ ہوا، استاذ کی مالی حالت اتنی مستحکم نہیں تھی؛ مگر میرے اللہ کا بہت بڑا فضل شاملِ حال رہا، وہ اپنے کسی نیک بندے کو دنیا والوں کے سامنے رسوا نہیں کرتا۔ لہٰذا اللہ نے تمام چیزوں کا اپنے خزانۂ غیب سے انتظام فرمایا۔ اور لوگوں کے سامنے دست درازی کی رسوائی سے پوری پوری حفاظت فرمائی۔ اللّٰھمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ.

آپریشن کے کچھ عرصے بعد پیروں سے چلنا تو شروع کر دیا؛ مگر ایک ہاتھ بے کار ہو گیا تھا، اس کا خوب علاج بھی کروایا گیا؛ مگر اللہ کی مرضی یہی تھی، استاذِ محترم فرمایا کرتے تھے کہ: مجھے یہ لگتا ہے کہ میرا یہ ہاتھ اب ایسا ہی رہے گا، اسی حالت میں لے کر قبر میں جاؤں گا اور واقعتا ایسا ہی ہوا، ٹوٹا ہوا ہاتھ لے کر ہی اپنی قبر میں گئے۔ ہر شخص کے لیے ایک وقت مقرر ہے، ہر شخص اپنی اپنی قربانیوں کو لے کر اپنے رب کے دربار میں پہنچے گا، شہید اپنے زخموں کے ساتھ پہنچے گا، اسی طرح حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی ٹوٹے اور لٹکے ہوئے ہاتھ کو لے کر اللہ کے دربار میں حاضر ہوں گے کہ: اے اللہ! میں بھی تیری اعلیٰ کتاب کا ایک ادنیٰ سا خادم ہوں، تیرے پیارے رسول کے مہمانوں اور قرآنِ کریم کی خدمت کے خاطر پوری زندگی گزاری اور خدمت کرتے کرتے اس ہاتھ کو بھی شہید کر ڈالا، اگر آپ اپنی مہربانی سے اسے قبول فرمالیں تو بڑا احسان اور بڑی

نوازش ہوگی۔ ذرا سوچئے! ایسے شخص کی قربانی کیسے رد ہوسکتی ہے!! ہم تو بس یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی قربانیوں کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے اور امت کے شہداء اور خادمینِ قرآن کی فہرست میں شامل فرمائے۔ (آمین)

اجازت وخلافت

آپ اگرچہ لوگوں کے درمیان زیادہ مشہور نہیں تھے اور نہ زیادہ کسی بزرگ کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا؛ مگر آپ کی ذات بے ضرر تھی، اپنے استاذ حضرت اقدس مولانا ایوب صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا کی برکت سے آپ کو تزکیۂ نفس کی گرانقدر دولت ہاتھ لگی تھی۔ اور یہی مقصودِ زندگانی ہے، اور اسی لیے بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کی جاتی ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ: استاذ جی! آپ کس سے بیعت ہیں؟ فرمانے لگے: میں حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے حضرت اقدس مولانا طلحہ صاحب سہارنپوری دامت برکاتہم سے بیعت ہوں؛ مگر ہمارے حضرت دور ہیں اس وجہ سے ہمارے حضرت کے خلیفہ مولانا ہاشم صاحب مدظلّہ العالی سے اصلاحی تعلق رکھتا ہوں۔

آگے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت اقدس مولانا ہاشم صاحب مدظلّہ العالی مولانا سلیم صاحب سے بے انتہا محبت کرتے تھے، اور بات یہ ہے کہ ''ولی را ولی می شناسد'' آپ سے استاذ کا خط وخطابت کے ذریعے تعلق رہا، جس وقت مولانا مدظلّہم برطانیہ سے جوگواڑ تشریف لائے تو حضرت الاستاذ صحت کی خرابی اور اوقات کی پابندی کی وجہ سے آپ کی ملاقات کے لیے اپنا وقت فارغ نہ کرسکے۔

مولانا مدظلہم نے مولانا اقبال صاحب دیسائی کے سامنے اپنی تمنا کا اظہار بھی کیا کہ: میں چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ مولانا سلیم صاحب سے میری ملاقات ہوجائے۔مگر اس طرف حضرت الاستاذ اپنے تعلیمی اوقات میں حرج کی وجہ سے جوگواڑ ملاقات کے لیے نہیں گئے تھے؛ مگر جب یہاں حضرت کی جانب سے اصرار دیکھا تو آخر ۶/ جمادی الاول ۱۴۳۳ھ مطابق ۳۰/ مارچ ۲۰۱۲ء بروز جمعہ آپ نے اپنے شیخ سے ملاقات کا ارادہ کرلیا اور اپنے بڑے صاحبزادے مولوی جنید اور اپنے خاص شاگردِ رشید مولوی اقبال دیسائی کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا ہاشم صاحب مدظلہ العالی تو استاذ کی ملاقات کے مشتاق تھے ہی، دیکھ کر بہت خوش ہوگئے، اپنے پاس بٹھایا، مولانا اقبال صاحب فرماتے ہیں کہ: پھر اچانک ہمارے حضرت کھڑے ہوگئے اور استاذ کو گلے لگالیا اور فرمایا کہ: میرے دل میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے یہ القا ہوا کہ میں آپ کو چاروں سلسلے میں اجازتِ بیعت دوں؛ لہٰذا میں آپ کو چاروں سلسلے میں اجازتِ بیعت دے رہا ہوں۔آپ کو تھوڑی ہچکچاہٹ تو ہوئی؛ مگر اپنے حضرت کے سامنے کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی، اس طرح سے آپ حضرت مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی مدظلہ العالی کے خلفا کی فہرست میں شامل ہوئے، مگر اس بات کا افشا کبھی کسی کے سامنے نہیں کیا، اور زندگی بھر اپنی ذات کو چھپاتے رہے، زبان پر خود پسندی کے الفاظ کبھی نہیں لائے، شہرت، زیبائش، آرائش سے زندگی بھر کوسوں دور رہے۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

آ گے بیان کیا جاچکا کہ آپ اخیری چند سال سے بیماری کی وجہ سے معذور ہو چکے تھے، ۲۰۰۱ء میں آپ کو دل کا دورہ بھی پڑ چکا تھا، دوپہر کا وقت تھا خود اکیلے ہی ہسپتال پہنچ گئے، کسی کو ساتھ لے بھی نہیں گئے، چلنے میں بھی دشواری ہو چکی تھی، کئی رگیں بند ہو چکی تھیں، دیگر مہلک امراض بھی تھے، بعض سعادت مند شاگردوں نے یہ پیشکش بھی کی تھی کہ استاذ جی! آپ اپنا آپریشن کروا لیجئے، سارا خرچ ہم اٹھالیں گے، مگر ان تمام باتوں سے انکار کر دیا اور فرمانے لگے: جہاں تک چلتا ہے چلنے دو، جب بند ہو جائے تو دیکھ لینا، اور اخیری ایک سال تو ایکسیڈنٹ کی وجہ سے اور بھی معذور ہو گئے تھے۔ یوں سمجھئے کہ پچھلے کئی سالوں سے استاذ اپنی روحانی قوت ہی پر زندگی گزر بسر کر رہے تھے، کیوں کہ جس انسان کی اتنی ساری رگیں بند ہو گئی ہوں، دل کا دورہ پڑ چکا ہو اس کا زندہ رہنا ہی بڑا دشوار کام ہے، آپ ان تمام حالات سے دو چار ہو کر صبر و رضا کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے کہ وقتِ مقرر آ پہنچا۔ ۱۷/ دسمبر ۲۰۱۶ء کو آپ کی طبیعت تھوڑی خراب ہوئی اور دم گھٹنے لگا، ڈاکٹر کو بلایا گیا، ڈاکٹر صاحب آئے انجکشن لگایا اور یہ کہہ گئے کہ اس انجکشن کی وجہ سے آپ کو خوب پیشاب ہوگا اور اس کے بعد آپ کو راحت ہو جائے گی، ایسا ہی ہوا، اس دن بھی استاذ درسگاہ تشریف لائے، ناغہ نہیں کیا اور ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق درسگاہ میں سخت استنجا کا تقاضہ ہوا، آپ درسگاہ سے گھر تشریف لے گئے، اور شاید یہ زندگی کا پہلا اور آخری دن تھا کہ جس میں استاذ اپنی کسی ضرورت کے لیے درسگاہ سے گھر تشریف لے گئے ہوں۔

خیر! فراغت کے بعد پھر درسگاہ تشریف لے آئے اور فرمانے لگے: آج تو واقعتا مجھے بہت راحت محسوس ہورہی ہے، استاذ کے چھوٹے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ: ویسے روزانہ والدصاحب رات میں صرف تھوڑی سی دیر سوپاتے تھے،مگر جس صبح آپ کا انتقال ہوااس رات آپ فرمانے لگے کہ: آج تو مجھے بہت راحت لگ رہی ہے، اور اس رات جلدی سو گئے، کئی سالوں کے بعد یہ پہلی رات تھی جس میں استاذ اتنے اطمینان سے سوئے تھے، ایسا لگتا ہے کہ محبوب کی ملاقات کے آثار پہلے ہی سے نظر آنے لگے تھے، رات گزر رہی تھی، صبح ہونے میں ابھی وقت تھا؛ مگر کسے پتہ تھا کہ آج کی صبح کچھ اور ہی اطلاع لے کر آنے والی ہے۔

آپ اپنے معمول کے مطابق بیدار ہوئے، حسبِ معمول فجر سے پہلے درود شریف اور حزب الاعظم پڑھنے لگے، پڑوسیوں کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا کی تلاوت کی آواز سنی، درود شریف پڑھ ہی رہے تھے کہ اچانک دم گھٹنے لگا، سردی کے باوجود بھی بدن پسینہ میں تر ہوگیا، درود شریف کی کتاب ہاتھ ہی میں رہ گئی، قرآن تکیہ پر ہی تھا، وضو کی حالت تھی، بڑے صاحبزادے کو بیدار کیا، سب لوگ حاضر ہوگئے، آپ کو سلادیا گیا، آخر میں آواز بند ہوگئی؛ مگر اشارہ سے کچھ باتیں کرتے رہے، آخر وہ وقت آگیا کہ اشارے بھی بند ہوگئے، اور آپ ۱۸/ دسمبر ۲۰۱۶ء کو صبح چھ بجے کے قریب قبل الفجر اس دارِفانی سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

کیا خوب موت نصیب ہوئی اس مسافر کو جو اس دنیا سے درود پڑھتے ہوئے چلا گیا، سچ فرمایا میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیم، اعمال کی مقبولیت کا راز تو خاتمہ سے معلوم ہوتا ہے۔ اگر زندگی بھر عبادتیں کرتا رہا، مگر آخری وقت ایمان

سے محروم ہوگیا تو سارے اعمال چوپٹ ہوگئے۔

حضرت الاستاذ ''جوگواڑ'' کے ایک حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان فرمایا کرتے تھے کہ: بڑے نیک آدمی تھے، ہر وقت تلاوتِ قرآن میں رہتے تھے، جب آخری وقت آیا اس وقت بھی وہ تلاوت ہی کررہے تھے اور سورۂ فجر کی اس آیت پر پہنچے: ﴿فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ () ترجمہ: اور شامل ہوجاؤ میرے (نیک) بندوں میں، اور داخل ہوجاؤ میری جنت میں۔

اور اس دارِ فانی کو الوداع کہہ دیا۔ اس واقعہ کو ذکر فرمانے کے بعد آپ بھی ایسی قابلِ رشک موت کی تمنا کیا کرتے تھے، اللہ نے آپ کی اس تمنا کو پورا کیا، آپ کا قرآن تکیہ پر ہی رکھا ہوا تھا۔

آیئے قارئین! استاذِ محترم کی قابلِ رشک موت کو پڑھ کر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خاتمہ بالخیر کی دولت سے مالا مال فرماوے۔ آمین

تجہیز و تکفین

آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی جنید سلمہٗ اور جامعہ ڈابھیل کے نوجوان استاذ قاضی محمد صاحب بسم اللہ مدظلہ العالی اور دیگر لوگوں نے مل کر آپ کو غسل دیا، غسل کے بعد ان ساتھیوں میں سے ایک صاحب کا کہنا ہے کہ: میں نے مولانا کے کفن پر عطر لگایا، عطر معمولی تھا؛ مگر دو تین دن تک اس کی خوشبو میرے ہاتھوں سے زائل نہیں ہوئی۔

نمازِ جنازہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی جنید سلمہٗ نے

پڑھائی، بڑی تعداد میں لوگ جنازہ میں شریک ہوئے۔

اخلاقِ حسنہ سے متصف اور اخلاقِ رذیلہ سے متنفر

تزکیۂ نفس کا اصل منشا یہ ہے کہ انسان اخلاقِ حسنہ مثلاً تواضع، عاجزی، اخلاص و للّٰہیت، حسنِ ظن، فنائیت وعبدیت وغیرہ اوصاف سے اپنے آپ کو متصف کرے اور اخلاقِ رذیلہ مثلاً حسد، بغض، کینہ، سوئے ظن، ریا، کبر وغیرہ سے اپنے آپ کو حتی الوسع بچالے۔ ہمارے اکابر واسلاف نے اس پر خصوصی توجہ فرمائی اور کسی اللہ والے کی خدمت میں رہ کر ان کی جوتیاں سیدھی کر کے ان اوصاف کو حاصل کرنے کا اہتمام کیا۔ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے استاذ ومخدوم شیخ الحدیث مولانا ایوب صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت وخدمت سے اور اکابر اولیاء اللہ کی توجہ ودعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے ان تمام اوصافِ حمیدہ کا جامع بنایا تھا۔ جن حضرات کو استاذِ محترم سے ملاقات یا ان کی صحبت میں کچھ وقت گزارنے کا موقع ملا وہ بخوبی واقف ہوں گے کہ واقعی ان میں یہ اوصافِ حمیدہ بدرجۂ اتم موجود تھے۔

راقم کے زمانۂ حفظ کا قصہ ہے کہ استاذ پیدل درسگاہ میں تشریف لا رہے تھے، اپنے معمول کے مطابق ''اشرفی بلڈنگ'' کے پاس سے گذر رہی رہے تھے کہ ایک طالبِ علم نے اوپر سے بغیر دیکھے کچرا ڈال دیا اور وہ استاذ پر آ کر گرا، استاذ نے اوپر سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور سر جھکائے چلنے میں مشغول رہے، وہ طالبِ علم پشیمان ہوا، اور تیزی سے استاذ کے پاس پہنچا اور بہت منت وسماجت کر کے معافی مانگنے لگا۔ استاذ نے کہا: میں نے اسی وقت معاف کر دیا تھا جب تم نے میرے اوپر کچرا ڈالا تھا، اس موقع سے

اللہ تعالیٰ نے آپ سے وہ سنت ادا کروالی جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بُڑھیا کے کچرا ڈالنے کے موقع پر ادا فرمائی تھی۔ نیز ایکسیڈنٹ کے وقت جب آپ ہوش میں آئے تو فرمانے لگے: اس گاڑی والے کو چھوڑ دینا، اس سے کوئی انتقام نہ لینا، حالاں کہ تمام لوگ انتقام لینے پر متفق تھے، اس شخص نے شراب پی رکھی تھی اور وہ شخص اس لائق تھا کہ اس سے بدلہ لیا جائے؛ مگر حضرت الاستاذ کی دریا دلی تو دیکھئے معاف کرنے کی تاکید فرما رہے ہیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور طرزِ زندگی کے عین مطابق تھا، آپ کبھی کسی سے انتقام لینا پسند نہ فرماتے تھے، واقعتا اللہ تعالیٰ نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کو اخلاق کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا، ہر ایک سے خوش اخلاقی سے ملتے، بے وقت آنے والوں پر کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرماتے، ہم خدام وعقیدت مند بھی بسا اوقات بے وقت پہنچ جاتے؛ مگر کبھی بھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتے تھے، چھوٹے اور بڑے، نیک و بد، عوام وخواص، مسلم وغیر مسلم سب آپ کے اخلاق سے متأثر تھے۔ ہر آدمی یہی سمجھتا تھا کہ میرے ساتھ مولانا کا تعلق سب سے زیادہ ہے، سیرتِ طیبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت بھی یہی بیان فرمائی گئی ہے کہ ہر ملنے والا یہی سمجھتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے خصوصی محبت وتعلق رکھتے ہیں۔

معمولاتِ یومیہ

معمولات کے متعلق راقم استاذِ محترم کو کبھی کچھ پوچھ نہ سکا، اور نہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے جاننے والوں کو کچھ زیادہ علم ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ استاذ نے اپنے

آپ کو بہت چھپایا تھا، اپنے متعلق کبھی کسی سے کوئی بات ہی نہیں کرنا چاہتے تھے؛ البتہ درود شریف، منزل اور حزب الاعظم کی پابندی شاید تھی، روزانہ قبل الفجر درود شریف اور تلاوت کا معمول تھا، بہت سے لوگ آپ کی تلاوت کی دلکش آواز ہی سے صبح سویرے بیدار ہوتے تھے، جس دن آپ کا وصال ہوا، اس دن بھی قبل الفجر درود شریف ہی پڑھ رہے تھے؛ مگر سینہ میں درد اٹھا، تھوڑی دیر کے لیے پڑھنا موقوف کیا اور اس کے بعد آپ کی روح نکل گئی۔

جمعہ سے پہلے مسجد کا رخ کرنا

آپ کے صاحبزادے فرماتے ہیں کہ: جس وقت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ صحت مند تھے جمعہ کے دن معمول تھا اذان سے بہت ہی پہلے مسجد تشریف لے جاتے، (جمعہ کے دن جلدی مسجد جانا یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے اور حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے)۔ اور اپنے اللہ کی یاد میں مشغول ہوجاتے، یہ معمول زندگی بھر برقرار رہا؛ مگر آخری ایک سال بیماری، حادثہ اور کمزوری کے باعث اس سے آپ معذور ہوگئے۔

عظمتِ قرآن

انتقال سے بیس اکیس دن قبل راقم استاذِ محترم کی ملاقات کے لیے گیا تھا، استاذ کی معذوری دیکھ کر میں نے کہا کہ: استاذ جی! آپ کی معذوری زیادہ ہے، اس لیے کرسی پر بیٹھ کر ہی طلبہ کا قرآن سن لیا کیجیے، تو اس میں آپ کے لیے اٹھنے بیٹھنے میں آسانی ہوگی، فرمانے لگے: اس طرح سے طلبہ کا آموختہ سننے میں قرآن کی بے ادبی ہوگی۔ میں نے کہا: معذوری کی وجہ سے کوئی بے ادبی نہیں ہوگی۔ فرمانے لگے: دل نہیں مانتا

کہ اس طرح بیٹھوں۔

سالانہ تعطیلات سے قبل طلبہ کو آموختہ قرآن کے متعلق خاص ہدایت فرماتے: ’’چھٹیوں میں قرآن سناتے رہنا‘‘۔ بسا اوقات یہاں تک فرماتے کہ: اگر کوئی سنانے کے لیے میسر نہ ہوتو مجھے فون سے سنا دینا، کیا ہوگا زیادہ سے زیادہ میرا بیلنس کٹے گا کچھ تمہارا کٹے گا؛ مگر قرآن کی تلاوت مت چھوڑنا۔

گاؤں کے طلبہ کا قرآن تعطیلات میں آپ بذاتِ خود پابندی سے سنتے تھے، کہ کہیں کسی طالبِ علم کا قرآن کچا نہ ہو جائے۔ طالبِ علم کی طرف سے ایک چھٹی بھی انہیں برداشت نہ تھی، فوراً تحقیق فرماتے، کہاں گیا؟ کیوں گیا؟ کیا وجہ ہے؟ اگر وہ طالبِ علم کمرہ میں ہوتا تو فوراً بلواتے تھے، اس پابندی کے اثرات طلبہ پر بھی ظاہر ہوتے تھے، آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھنے والے طلبہ کی سال میں بہت کم چھٹی ہوا کرتی تھی، بیسیوں طلبہ ہیں جنہوں نے استاذ کے پاس چار چار پانچ پانچ سال گزارے، مگر اس مدت میں الحمدللہ! ایک دن بھی غیر حاضری کی نوبت نہیں آئی۔

استاذِ محترم کو قرآن خوب یاد تھا، فرماتے تھے: جب میں تراویح پڑھانے جاتا تھا تو میرے ساتھ پڑھانے والوں کی زبر زیر میں بھی کوئی غلطی نہیں جانے دیتا تھا، فوراً لقمہ دیدیا کرتا تھا۔

بسا اوقات یہ فرمایا کرتے تھے: الحمدللہ! اب تو قرآن کھولنے کی ضرورت نہیں، پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ آیت فلاں پارے، فلاں سورت اور فلاں رکوع کی ہے۔ یہ ساری برکات کثرتِ تلاوت کی تھی۔ اسی پختگی کا نتیجہ تھا کہ ایک طویل عرصے تک استاذِ محترم نے کئی علاقوں میں تراویح میں قرآن سنایا۔

اخلاص وللّٰہیت

انسان سے سرزد ہونے والے اعمال میں نیت کو خاص دخل رہا ہے، جس انسان کی نیت ہر کام کے لیے صرف اللہ کی رضا ہو جائے وہ انسان دنیا وآخرت میں کامیاب ہے اور اسی کو ''اخلاص وللّٰہیت'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، احادیث میں اخلاص کی بڑی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ استاذِ محترم اخلاص وللّٰہیت کے پیکر تھے، صدقہ وخیرات وغیرہ بے شمار کام اس طرح انجام دیتے تھے کہ کسی کو پتہ تک نہ چلتا۔ ہاں! یہ اللہ کا نظام ہے کہ بعض مرتبہ اللہ کا کوئی مخلص بندہ اپنے جملہ اعمال وافعال مخلوق سے چھپ کر انجام دیتا ہے؛ مگر خالق ومالک اپنے دوسرے بندوں کی تربیت وہدایت کے لیے ان کو ظاہر کر ہی دیتا ہے۔ استاذ کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو بے حد چھپایا؛ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر ظاہر کیا اور وہ مقبولیت عطا فرمائی جو کم ہی اوروں کے حصہ میں آئی، یقیناً یہ آپ کے اخلاص ہی کی برکت تھی۔

جامعہ ڈابھیل میں تنخواہ کی ادائیگی کے ساتھ حساب کتاب پر مشتمل ایک رسید دی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف استاذ کو آموختہ سنا رہا تھا، استاذ نے ڈیسک کو کھولا اور اس میں سے سب سے پہلی رسید ۱۹۹۲ء کی نکالی اور فرمانے لگے: یہ میری جامعہ میں استاذ کی حیثیت سے تقرر کے بعد کی سب سے پہلی تنخواہی رسید ہے۔ میرے پاس اس دن سے لے کر آج تک کی تمام پرچیاں موجود ہیں اور میں نے یہ تمام پرچیاں اسی نیت سے اکٹھی کر رکھی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ مجھے وسعت دے گا تو میں ان تمام پرچیوں کا حساب کر کے کل رقم مدرسہ میں واپس لوٹا دوں گا؛ تاکہ میری پوری زندگی کی

خدمت للہ فی اللہ ہو جاوے، ابھی تو میں مجبور ہوں، اس لیے لے رہا ہوں۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت الاستاذ اگرچہ اپنی وسعتِ نیت کے باوجود وہ رقوم مدرسہ میں واپس نہ لوٹا سکے؛ مگر استاذ کے اس عزم وارادہ اور نیت وخلوص سے یقیناً آپ کو اس سے بڑھ کر اجر ومرتبہ ملا ہوگا، حدیث قدسی ہے کہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ'' میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں۔ اس حدیث کے پیشِ نظر ہم یہ قوی امید کرتے ہیں کہ اللہ نے ان کے خالص ارادوں کو دیکھتے ہوئے پوری زندگی کی خدمات کو خالص اپنے لیے قبول فرمالیا ہوگا۔

رحمت حق بہانہ می جوید

حدیثِ قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اخلاص میرے رازوں میں سے ایک راز (مخصوص بخششوں میں سے ایک خاص بخشش) ہے اپنے بندوں میں اس بندے کے دل میں ڈالتا ہوں جس سے میں محبت رکھتا ہوں۔

بندے کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب بھی مہینہ ختم ہوتا اور استاذ آفس سے تنخواہ لے کر آتے تو سب سے پہلے اس عاجز کو بلاتے اور پچاس روپے دے کر یوں فرماتے: جاؤ! جناب ایوب بھائی بورسدی زید فیضہ (جو جامعہ میں منشی کے فرائض انجام دیتے ہیں) کے پاس جا کر یہ پچاس روپے للہ میرے نام سے لکھوادو، میں جاتا اور وہ پیسے استاذ کے نام پر لکھوا کر اس کی رسید استاذ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔

تواضع

تواضع کا شریعت میں بڑا مقام ہے، اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمن کی صفات میں

فرمایا:﴿يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هوْناً﴾ یعنی زمین پر رحمن کے بندے تواضع و انکساری سے چلتے ہیں، احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰه رَفَعَهُ اللّٰهُ'' جو اللہ کے لیے تواضع کرے گا اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرمائیں گے۔ حضرت الاستاذ کو دیکھنے والے اس کی گواہی دیے بغیر نہیں رہ سکے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تواضع کے کس بلند مقام پر پہنچایا تھا۔ آپ ہر آدمی کو اپنے سے بڑا سمجھتے اور اپنے کو ہمیشہ چھوٹا ہی سمجھا، ہر ایک سے اس طرح ملتے کہ گویا وہ چھوٹے ہیں، اور دوسرا بڑا ہے۔

چناں چہ ہمیشہ گھر سے پیدل ہی درسگاہ تشریف لاتے تھے، جامعہ کے استاذ ہونے کے باوجود اگر کوئی طالبِ علم بائیک یا سائیکل روک دیتا کہ استاذ بیٹھ جائیں، تو فوراً بے تکلف بیٹھ جاتے تھے، طالبِ علم کے پیچھے سائیکل پر بیٹھنے سے عار محسوس نہ فرماتے؛ مگر اواخرِ عمر میں استاذ کی معذوری بڑھتی چلی گئی، بیماری کی وجہ سے چلنا دشوار ہوگیا، پیروں میں درد اٹھتا تھا، تھوڑا سا چل کر رک جاتے تھے، تب لوگ منع کرنے لگے کہ اب آپ پیدل نہیں، بلکہ سوار ہو کر آیا کریں۔ خود استاذ کی زبانی یہ بات سنی ہے کہ: میں مدرسہ کے گیٹ کے پاس کھڑا تھا (تھک گیا تھا)، مولانا رشید احمد سیلوڈی دامت برکاتہم سے ملاقات ہوئی، مولانا فرمانے لگے: مولانا! آپ اب زیادہ بیمار چل رہے ہیں؛ اس لیے سواری کے ذریعے آیا کریں۔ اس کے بعد استاذِ محترم بائیک پر اور کبھی کار میں سوار ہو کر مدرسہ تشریف لاتے تھے۔ وفات سے ایک سال قبل تو (ایکسیڈنٹ) سڑک حادثے کی وجہ سے استاذ اور بھی زیادہ معذور ہو گئے تھے ایسی حالت میں بھی طلبہ کے سہارے جامعہ ضرور تشریف لاتے تھے۔

قناعت

کھانے میں کوئی خاص اہتمام نہ تھا، جو وقت پر مل گیا نوش فرمالیا، اکثر دودھ روٹی پر اکتفا فرماتے۔ مرچ بہت کم کھاتے، شرمیلی طبیعت کے باعث دعوتوں میں شریک ہونا اور سب کے سامنے کھانا انہیں پسند نہیں تھا، کوئی بھی طالبِ علم دعوت دینے آتا تو دعوت قبول فرمالیتے؛ مگر وضاحت فرمادیتے کہ میں نہیں آسکتا، اگر وہ اصرار کرتا تو اتنا کہہ دیتے کہ اگر تم مجھے کھلانا ہی چاہتے ہو اور تمہیں سہولت ہو تو گھر بھیج دینا۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ: میں کسی کی دعوت میں شریک نہیں ہوتا، یہ بات مہتمم صاحب مدظلہ العالی کو معلوم ہے، ایک دن مطبخ میں دعوت تھی، میں گھر جانے لگا، مہتمم صاحب مدظلہ العالی جامعہ کے گیٹ سے میرا ہاتھ پکڑ کر لے آئے کہ چلو دعوت میں، آپ کو چلنا ہے تو اس وقت پہلی مرتبہ میں چلا گیا، اور دعوت میں شریک ہو گیا اور نہ تو مجھے لوگوں کے سامنے کھانا اچھا ہی نہیں لگتا۔

زہد ووَرع

اپنے استاذ کی زندگی پر نظر ڈالتے ہوئے اگر یہ بات لکھوں کہ: حضرت الاستاذ زاہد عن الدنیا اور راغب فی الآخرۃ تھے، تو یہ کوئی مبالغہ نہ ہوگا؛ کیوں کہ استاذ نے دنیا سے قطع تعلق کر کے قرآنی خدمت کے ساتھ زندگی گذاری ہے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے صحیح مصداق تھے: ''خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرآنَ وَعَلَّمَهُ'' ڈابھیل سے باہر جانے کا موقع ہی نہیں آتا تھا، اگر آپ کہیں باہر جاتے تو صرف نوساری علاج کے لیے جاتے تھے۔ موبائل کا استعمال بھی نہیں جانتے تھے، گویا آپ دنیا، اسبابِ دنیا اور

اس کی آرائش وزیبائش سے بالکل کنارہ کش ہوکر درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔

سادگی

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی سادگی کی اعلیٰ مثال تھی، کھانے پینے، رہنے سہنے، لباس و پوشاک ہر معاملہ میں سادگی کا پورا اہتمام فرماتے۔

کپڑے میں کسی طرح کا بھی اسراف انہیں گوارہ نہ تھا، نہایت سادہ لباس جو وقت پر میسر آ گیا زیب تن فرمالیتے۔ جمعہ وعیدین میں بھی حد سے زیادہ کوئی خاص اہتمام نہ ہوتا، نئے کپڑے خریدنے کا بھی کوئی خاص شوق نہیں تھا، جو کپڑا مل گیا وہی سلوا لیتے، اولاد کی شادی کے دن بھی مستقل کوئی نیا لباس پہننے کا معمول نہیں تھا، اکثر دو یا تین جوڑے نوبت نہ نوبت آپ کے بدن پر نظر آتے۔ اسی لباس میں سفر فرماتے، چاہے کتنا ہی اہم سفر کیوں نہ ہو، شادی میں شرکت ہو یا کسی جلسہ میں، لباس اپنے وقت سے پہلے تبدیل کرنا انہیں ناپسند ہوتا، بعض مرتبہ گھر والے اصرار بھی فرماتے کہ عمدہ لباس پہن لیں، مگر انکار فرمادیتے، اور کہتے: کیا یہ لباس خراب ہے؟ اہتمام سے کپڑے میں استری کرنا کبھی یاد نہیں پڑتا، کسی نے استری کردی تو ٹھیک ہے ورنہ از خود کبھی اس کا اہتمام نہیں فرماتے تھے۔ راقم نے تو بیسیوں دفعہ اپنے استاذ کو پیوند لگے ہوئے کپڑوں میں دیکھا ہے، کبھی کرتے میں پیوند ہوتا تو کبھی شلوار میں، کرتے کا کپڑا کچھ اور ہوتا تو شلوار کا کچھ اور، بٹن کا حال یہ تھا کہ بسا اوقات ایک بٹن ایک قسم کا ہوتا اور دوسرا کسی اور قسم کا، آپ اسی کو بے تکلف اور سادہ سے پیوند لگے کپڑے زیب تن کیے بیسیوں مرتبہ ان گنہگار آنکھوں نے دیکھا ہے۔ اور غضب یہ ہے کہ چہرہ پر ناگواری یا شرمندگی کا ذرہ

برابر اثر بھی محسوس نہ ہوتا تھا۔

صبر

جب راقم کا حفظ مکمل ہوگیا تو معافی تلافی کی غرض سے استاذِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے معافی مانگی کہ استاذ جی! میری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف پہونچی ہو تو مجھے معاف فرما دیجئے۔ آپ فرمانے لگے: مجھے بھی معاف کر دینا، پھر میں نے کہا: کچھ نصیحت فرما دیجئے: فرمانے لگے: ''نفس کی اصلاح اصل مقصودِ زندگی ہے، درجۂ عربیہ عالیہ کے بعد ایسے حالات آئیں گے کہ تم بے قابو ہو جاؤ گے، مگر صبر کے پہلو کو لازم پکڑنا، پڑھانے بیٹھو گے اس وقت بھی حالات آئیں گے مگر ہمت سے کام لینا، ہمارے گھر میں تو ایسے بھی حالات آئے ہیں کہ میں پڑھانے کے بعد گھر پہنچا، گھر میں کچھ بھی کھانا نہ تھا، میں نے کہا دال پکا لیتے تو جواب ملا کہ دال پکانے جتنے پیسے بھی نہیں تھے۔ حالاں کہ ان دنوں دال فقط دو روپیہ میں ملا کرتی تھی، اتنے روپیہ بھی نہ تھے؛ مگر اللہ نے صبر عطا فرمایا''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ جس وقت تراج پڑھتے تھے اس وقت آپ کی مالی حالت نہایت کمزور تھی، کرایہ کے پیسے پاس نہ ہوتے، آپ جمعرات کو تراج سے ڈابھیل تک پیدل ہی آتے تھے اور جمعہ کو مدرسہ واپس پاپیادہ ہی جاتے تھے۔

ادب

باادب بانصیب بےادب بےنصیب

حضرت الاستاذ طلبِ علمی کے زمانہ ہی سے بڑے باادب تھے، اپنے اساتذہ کا

بڑا احترام فرماتے۔ اساتذہ کے صاحبزادے اگر آپ کے پاس پڑھنے آتے تو آپ ان کی عزتِ نفس کا خصوصی خیال رکھتے تھے، حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے ''حافظ راشد'' نے آپ رحمۃ اللہ علیہ ہی کے پاس حفظ کیا ہے۔

حافظ راشد کے ساتھ بڑی نرمی کا معاملہ فرماتے تھے، ایک مرتبہ آپ درسگاہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک حضرت مولانا ابراہیم صاحب کاوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے، اور دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ آپ فوراً گدے سے اٹھ کر لپکے اور اپنے استاذ کے سامنے جا کر باادب کھڑے ہوگئے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب کیات رحمۃ اللہ علیہ کا اکثر آپ کے پاس آنا ہوتا، جب بھی تشریف لاتے آپ اپنی گدی سے کھڑے ہوجاتے۔ اس منظر کو دیکھ کر ہم طلبہ پر بڑا اثر ہوتا تھا، ہم طلبہ کے دل ودماغ میں غیر شعوری طور پر یہ پیغام جاگزیں ہوتا کہ ہم چاہے کتنے ہی بڑے عہدے پر پہنچ جاویں؛ مگر اپنے اساتذہ کا احترام ہر وقت ملحوظ رکھنا چاہیے۔

قبرستان جانا

جمعہ کو علی الصباح قبرستان جانے کا معمول تھا، اور قبرستان جا کر اپنے والدین اور دوسرے اہلِ قریہ کی قبروں پر ایصالِ ثواب اور ان کے لیے دعا فرماتے، یہ معمول زندگی کے آخری سال تک باقی رہا۔

معاملات کی صفائی

دین صرف عبادت کا نام نہیں، معاملات کی صفائی بھی دین کا ایک بڑا شعبہ ہے۔ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ معاملات میں بہت صاف تھے، ہر آدمی کا حساب وکتاب برابر

تحریر فرماتے اور پائی پائی کا حساب کرتے۔ یاد پڑتا ہے کہ میرے حفظ کے زمانے میں ایک طالبِ علم کے پاس کنگھی دیکھ لی اور ایک طالبِ علم کے پاس انگوٹھی، کنگھی والے سے کہا: تجھے کنگھی کی کیا ضرورت! ایسی سب چیزیں طالبِ علم کے لیے مضر ہیں، اس نے کہا: استاذ جی! میں نے داڑھی درست کرنے کے لیے رکھی ہے، تو فرمایا: تب تو ٹھیک ہے۔ دوسرے طالبِ علم کی انگوٹھی تو لے ہی لی؛ تاکہ طلبہ ایسی سب زیب وزینت والی چیزوں میں مشغول ہوکر اپنی پڑھائی کا نقصان نہ کر بیٹھیں۔ سال کے اخیر تک اس انگوٹھی کی مکمل حفاظت کرتے رہیں۔ سالانہ تعطیلات پر وہ انگوٹھی اس طالبِ علم کے حوالہ کردی۔ اس طرح سے ہر انسان کے ساتھ درست معاملہ رکھتے تھے۔ کسی سے کوئی معاملہ کرتے تو فوراً حساب وکتاب صاف کرلیتے۔

مرغیوں کا خیال رکھنا

آپ رحمۃ اللہ علیہ دل کے بڑے نرم تھے، کبھی کوئی معمولی سی بات پیش آجاتی تو بھی رو دیتے تھے، اور اپنے سے زیادہ دوسروں کی فکر فرماتے، آپ کو مرغی پالنے کا بڑا شوق تھا، گھر میں مرغیاں پال رکھی تھیں، اس کا خوب خیال رکھتے تھے، مولوی جنید سلمہٗ کہتے ہیں کہ: مدرسہ کی چھٹی ہوتی اور والد صاحب گھر تشریف لاتے، حالاں کہ خود بھوکے ہوتے تھے؛ مگر پہلے مرغیوں کی خبر لیتے، اپنے ہاتھوں سے انہیں دانہ پانی ڈالتے، اور اس کے بعد ہی کھانے کے لیے دسترخوان پر تشریف لاتے، جو انسان جانور کا اتنا خیال اور فکر رکھنے والا ہو اس کا انسانوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا!۔

اکرامِ مسلم

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس آدمی نے اپنے بھائی کا اکرام کیا تو گویا اس نے اپنے رب کا اکرام کیا۔ (مجمع الزوائد،ص:۱۶ ج کشف الاستار ص: ۲۹۳، ج ۲)

اللہ تعالیٰ نے حضرت الاستاذ میں یہ صفت اس طرح ودیعت فرمارکھی تھی کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ ہر ایک کا اکرام فرماتے اوراکابر، اساتذہ اور علما کا اکرام واحترام تو فرماتے ہی تھے اور بعض جواں سال فضلاء جو ان کے شاگرد ہوتے ان کا بھی ایسا اکرام فرماتے کہ وہ خود بھی شرمندہ ہوجاتے۔ بعض ایسے لوگ جنہیں بہ ظاہر علم میں رسوخ اور کمالات حاصل نہ تھے، حضرت الاستاذ ان کے ساتھ اس پیار ومحبت اور اکرام سے پیش آتے کہ گویا وہ ان سے علم وعمل میں بڑے ہیں۔ اور اکرام وحسنِ سلوک کا یہ معاملہ علما تک محدود نہ تھا، عوام کے ساتھ بھی ان کے اخلاق واکرام کے دیکھنے والے ہزاروں نہیں تو سینکڑوں ضرور موجود ہیں۔

راقم الحروف کے زمانۂ حفظ کا واقعہ ہے کہ ایک طالبِ علم نے اپنے والدین کو پڑھائی کے معاملے میں بہت پریشان کر رکھا تھا، کبھی اس کے والد صاحب آتے تو کبھی والدہ۔ ایک مرتبہ والدہ درسگاہ کے باہر پہنچ گئی استاذ فوراً درسگاہ سے باہر نکل کر اس غمزدہ عورت کے پاس پہنچے اور اسے اطمینان دلایا۔

غربا سے محبت

آج کے اس دورِ مادیت میں مالداروں اور اغنیا سے دوستی اور تنگ دستوں وغربا سے دوری عام معمول بن چکا ہے۔ حالاں کہ خود نبیٔ کریم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَأَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا،وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ"۔

حضرت الاستاذ کے طرزِ عمل سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اس عیب سے اپنے آپ کو دور رکھیں، حضرت الاستاذ کے ہاں امیر وغریب سب یکساں ہوتے تھے، "اَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَھِمْ" کا معاملہ تو ضرور ہوتا؛ مگر امرا کے پیچھے پڑنا، ان کی چاپلوسی، ان کی ہاں میں ہاں ملانے کا دستور ان کے یہاں قطعاً نہ تھا، ہمیشہ غربا کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہا، طلبہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو اس کا خوب خیال رکھتے، اس کی بیمار پرسی فرماتے اور دوا وعلاج کا بندوبست فرما کر ان کو تسلی دیتے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف حفظ کے زمانہ میں بیمار ہو گیا۔ دست اور قے کا سلسلہ بند ہی نہیں ہو رہا تھا، ایک طالبِ علم کے ساتھ مجھے دوائی کے لیے ہسپتال بھیجا، ڈاکٹر کہنے لگا: بوتل چڑھانی پڑے گی۔ استاذ نے سختی سے منع فرمایا: تو ہسپتال داخل مت ہونا، ان شاء اللہ دوائیوں سے جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کے بعد استاذ نے میرے لیے دہی منگوائی اور فرمایا: دہی اور چاول پر اکتفا کرو۔ استاذ کی بات پر عمل کیا، الحمد للہ! دو تین دن میں ہی ٹھیک ہو گیا، اس کے بعد میں تین چار روز تک جب بھی قرآن سنانے جاتا میری خیریت پوچھتے رہتے۔

راقم کے زمانۂ حفظ میں ایک طالبِ علم کا وظیفہ بند ہو گیا، استاذ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ہر جمعرات کو اسے بلا کر اپنی جیبِ خاص سے وظیفہ دیا کرتے تھے۔

کبھی کسی طالبِ علم کا دودھ شروع کروا دیتے تھے اور ماہانہ پیسے خود اپنی جیب سے ادا کر دیتے تھے اور یہ سب اس انداز سے ہوتا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پاتی۔

ہمارے ساتھیوں میں سے ایک غریب طالبِ علم پڑھائی چھوڑ کر گھر چلا گیا، ہوشیار طالبِ علم تھا، آواز ماشاء اللہ بہت خوب تھی، بنجر علاقہ کا تھا، استاذ کی تمنا یہ تھی کہ وہ

طالبِ علم کسی طرح سے بھی پڑھ لے۔ استاذ نے اس کے ایک ذمہ دار کو۔ جو اس وقت جامعہ میں پڑھتے تھے۔ بلایا اور فرمانے لگے کہ: اس کو واپس لے آؤ، اور پورا کرایہ مجھ سے وصول کرلو۔ اس کے بعد اس طالبِ علم کو واپس بلایا اور اپنے پاس حفظ کی تکمیل کرائی، آج ماشاء اللہ! وہ طالبِ علم عالمِ دین بھی ہے اور ایک بہترین خطیب بھی، آج یہ سب باتیں یاد آ رہی ہیں تو دل رو رہا ہے کہ اب کہاں ملیں گے ایسے مشفق استاذ، جو اپنے شاگردوں کو اپنی سگی اولاد کے درجہ میں رکھتے ہوں!۔

آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر		اب ڈھونڈ انہیں چراغِ رخِ زیبا لے کر

مہمان نوازی

احادیث میں مہمان نوازی کے بڑے فضائل آئے ہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی میں کوئی بھلائی نہیں جو مہمان نوازی نہ کرے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: مہمان اپنا رزق لے کر آتا ہے، اور میزبان کے گناہ لے کر جاتا ہے۔ (شمائلِ کبریٰ: ۴/ ۳۲۴، میرے والد بزرگوار: ۴۸)

حضرت الاستاذ میں یہ صفت دیکھنے والوں نے بہ کثرت دیکھی، جو بھی آپ کے گھر ملاقات کے لیے حاضر ہوتا آپ اس کی ضرور ضیافت فرماتے، اور ضیافت کیا تھی! کوئی عمدہ عمدہ اور پر تکلف کھانا نہیں؛ بلکہ جو گھر میں موجود ہوتا وہی پیش فرما دیتے۔ اور یہی پسندیدہ طریقہ ہے، اس طریقے میں میزبان ومہمان دونوں کے لیے عافیت ہے، میزبان تکلف سے آزاد رہ کر مشقت سے بچتا ہے اور مہمان شرمندگی سے محفوظ رہتا ہے۔

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماں عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اے عائشہ! مہمان کے

لیے ایسا تکلف نہ کرو کہ تم پر بارِ خاطر ہو؛ بلکہ جو تم کھاتی ہو وہی کھلاؤ۔ حضرت عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: جب تمہارے پاس کوئی مہمان آئے تو جو تمہارے پاس ہو اسے روک کر نہ رکھو، اور جو تمہارے پاس نہ ہو اس کا انتظار نہ کرو؛ بلکہ جو موجود ہو اسے پیش کردو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی معمول تھا جو کھانا میسر ہوتا اسی سے مہمان نوازی فرمادیتے، بسا اوقات مہمان کے سامنے صرف شوربہ پیش فرمادیتے اور اس میں ایک بوٹی نہ ہوتی۔

خوشبو اور عطر

یہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشبو بہت پسند تھی، آپ بھی عطر کے بڑے شوقین تھے، حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ڈیسک میں ایک جگہ عطر ہی کے لیے طے کر رکھی تھی، اس میں قسم قسم کی مختلف عطر کی شیشیاں تھیں، تھوڑی تھوڑی دیر میں الگ الگ قسم کا عطر لگاتے تھے، اور اگر کوئی طالبِ علم ڈیسک کو چھیڑ دے اور عطر کی بوتل اِدھر سے اُدھر ہوجاتی تو فوراً سمجھ جاتے کہ طلبہ نے آج درسگاہ میں دھمال مچائی ہے، اس کے بعد اس پر مستقل تنبیہ فرماتے۔ موسم گرما میں تو آپ روزانہ ''موگرا'' کے پھول مٹھی میں دبا کر لے کر آتے تھے، اور تھوڑی تھوڑی دیر میں اس کی خوشبو سے لطف اندوز ہوتے۔ خوشبو لیتے وقت جھومنے کا منظر آج بھی راقم کی نگاہوں کے سامنے ہے۔

آپ کا ایک اہم وصف: خوش خطی

آپ کا خط بہت ہی اچھا تھا، اسی وجہ سے آپ اپنی پاس پڑھنے والے طلبہ کو پہلے ہی سے تحریری مشق کروا لیتے، جس کی وجہ سے اردو میں ایک سال خرچ کرنے سے بچ

جاتے۔ خوش خطی کی وجہ سے جوگواڑ کے اہتمام کے کئی امور آپ ہی کے سپرد ہوتے تھے۔

معمولی ہدیہ کو قبول فرمانا

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کوئی بھی ادنیٰ سے ادنیٰ رقم کا ہدیہ پیش کرتا تو بھی آپ بشاشت سے قبول فرمالیتے، اور اسے بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے، کسی کے معمولی تحفے کی بھی ناقدری نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ استاذِ محترم کو بدن پر کھجلی نکلی، میں نے اپنی چھوٹی اور ناقص عقل کے مطابق سوچا کہ میرے پاس کھجلی کا پاؤڈر ہے، استاذ کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے، ممکن ہے کہ ان کے لیے مفید ثابت ہو، حالاں کہ وہ پاؤڈر کا ڈبہ میں استعمال کر چکا تھا، مگر آپ نے بخوشی اس کو قبول فرمالیا۔

تدریس کے اوصاف

مدرسہ کے اوقات کا بڑا اہتمام فرماتے، بلا عذر پانچ منٹ بھی تاخیر انہیں گوارا نہ تھی، وقت سے پہلے مدرسہ پہنچتے، اور وقت کے اختتام پر گھر واپس ہوتے۔ بلا ضرورت مدرسہ کا ناغہ کرنے اور بلا عذر رخصت لینے سے بڑی نفرت تھی۔ کسی ضروری کام سے جانا پڑتا تو بھی ناظم صاحب یا مہتمم صاحب سے رخصت لے کر تشریف لے جاتے۔ حالانکہ مدرسہ کے سب ہی ذمہ دار حضرات آپ کا بے حد اکرام فرماتے تھے۔ پھر بھی حضرت الاستاذ کبھی بھی بدون رخصت لیے جانا پسند نہیں فرماتے۔

جس زمانہ میں حضرت الاستاذ جوگواڑ میں پڑھاتے تھے اسی زمانے میں آپ کا نکاح ہوا تھا، ایک شاگرد کا بیان ہے کہ: ہم سب طلبہ بہت خوش ہوگئے کہ آج زندگی میں پہلی مرتبہ چھٹی ملے گی؛ مگر یہ بات تو ہماری خوش فہمی یا خام خیالی تھی، یہاں تو استاذ

نکاح کی مجلس سے فارغ ہوکر فوراً درسگاہ تشریف لے آئے، سب طلبہ تعجب میں پڑ گئے۔ اس دورِ انحطاط میں مدارس ومکاتب کے مدرسین کے لیے حضرت الاستاذ کا یہ طرزِ عمل اپنے تیئں درسِ عبرت رکھتا ہے۔

راقم کے زمانۂ حفظ کا چشم دید واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ استاذِ محترم بہت سخت بیمار ہوئے، اس کے باوجود درسگاہ میں آئے اور کسی بھی طالبِ علم کو بیماری کی اطلاع تک نہ ہونے دی، تھوڑی دیر کے بعد اچانک کھڑکی میں کھڑے ہوکر قئے کرنے لگے، اس وقت طلبہ کو پتہ چلا کہ استاذ آج بیمار ہیں۔ ایسا بیسیوں مرتبہ ہوا کہ بیمار ہونے کے باوجود آپ نے درسگاہ کی غیر حاضری گوارہ نہ فرمائی۔

اپنے چارسالہ حفظ کے زمانہ میں راقم نے آپ کو نہایت قریب سے دیکھا؛ مگر یاد نہیں پڑتا کہ کبھی آپ درسگاہ میں نہ آئے ہوں۔ ہاں! فقط حج کے وقت کی رخصت یاد ہے۔

ایک مرتبہ کی بات ہے: استاذ بیمار تھے، درسگاہ میں تشریف لائے، اور بیٹھ کر سننا بھی شروع کیا اور تعجب یہ ہے کہ طلبہ کو اپنی بیماری کا احساس تک نہ ہونے دیا۔ اچانک دروازہ کھلا اور استاذ کے بڑے صاحبزادے مولوی جنید زید فضلہ کسی ڈاکٹر کو لے کر آئے، ڈاکٹر نے وہیں گدّی پر بیٹھے بیٹھے ہی ٹیسٹ کے لیے خون نکالا اور لے کر چلا گیا۔ اس کے بعد استاذ اٹھ کر وضو کے لیے تشریف لے گئے، چارسالہ زندگی میں یہ پہلی مرتبہ دیکھا گیا کہ استاذ اٹھ کر وضو کے لیے تشریف لے گئے، ورنہ تو ایک مرتبہ آ کر بیٹھ گئے تو پھر چھٹی کے وقت اٹھتے تھے۔ اور پورا وقت باوضو رہتے، وضو سے فراغت کے بعد پڑھانے میں مشغول ہوگئے، پھر اچانک مسکراتے ہوئے کہنے لگے: یہ سوئی والا معاملہ بڑا مشکل کام ہے، اس کے مقابلہ میں ایک مرتبہ کی موت آجاوے یہ آسان ہے''۔

اسی وجہ سے حضرت مولانا ہاشم صاحب دامت برکاتہم جب بھی برطانیہ سے ہندوستان تشریف لاتے ہیں اور اساتذہ میں بیان فرماتے ہیں تو مولانا سلیم صاحب کا نام لے کر آپ کی مثال دیا کرتے ہیں کہ اساتذہ کو تو ایسا ہونا چاہئے، ہمارے جوگواڑ میں چھ سال خدمات انجام دیں مگر ایک چھٹی نہیں، اور وقت کی پابندی تو اللہ اکبر۔

طرزِ تعلیم

پہلے اُس سبق کو جو آئندہ کل سنانا ہے اسے خوب پختہ کراتے اور اس کا ناظرہ بھی سن لیتے اور غنّہ، مد کی نشان دہی بھی فرمادیتے، اس کی وجہ سے آئندہ کل کے سبق میں آسانی ہوجاتی تھی۔ سبق پارہ زیادہ سے زیادہ مقدار میں سنتے؛ تاکہ بار بار سنانے سے وہ بھی آموختہ ہی کی طرح پختہ ہوجاوے۔ اور حفظ کی تکمیل کرنے والے طلبہ کو حفظ مکمل ہونے سے پہلے ہی اس قدر پختہ کروالیتے کہ حافظ ہونے کے بعد پہلے ہی دور میں بہ آسانی تین سے چار پارہ سناسکیں۔ جب آموختہ شروع ہوتا تو آہستہ آہستہ مقدار بڑھاتے جاتے، بڑھاتے بڑھاتے حال یہ ہوجاتا کہ حفاظ پورا پورا دن آموختہ سناتے رہتے تھے۔ اور جب طالبِ علم حفظ مکمل کرنے کے قریب ہوتا تو اسے ایک ایک پرچی دے دیتے تھے، دور مکمل ہونے پر اس میں دستخط فرماتے۔ اور ہر دور کو مع تاریخِ ابتدا وانتہا لکھ دیتے تھے۔ اس طرح کسی طالبِ علم کے ۵۰ / دور تو کسی کے ۶۰ / دور تو کسی کے ۷۰ / دور بہ آسانی مکمل ہوجاتے تھے۔

امتحان کے زمانہ میں جمعرات کو بعد المغرب درسگاہ میں تشریف لاتے اور جمعہ کی صبح بھی حاضر ہوتے، ہر ایک طالبِ علم کو جمعہ کی صبح آموختہ سنانا ضروری ہوتا۔

گاؤں کے طلبہ کے لیے چاہے جمعہ ہو یا کوئی اور چھٹی کا دن، ہر دن مسجد میں سنانے کا مکلف بناتے اور پابندی سے مسجد میں بیٹھ کر سنتے تھے۔ اسی وجہ سے گاؤں کے بعض نادان طلبہ مدرسہ کے طلبہ سے کہتے تھے کہ: بھائی! آپ لوگوں کو اچھا ہے، آپ کو کسی نہ کسی درجہ میں چھٹی مل جاتی ہے، مگر ہماری تو کوئی چھٹی ہی نہیں، روزانہ سنانا پڑتا ہے۔

طلبہ سے والہانہ تعلق

طلبہ سے بڑی محبت کرتے تھے، تادیباً مارتے بھی تھے؛ لیکن مار سے زیادہ پیار دیتے تھے، اگر کسی طالبِ علم کو مار دیا تو جب تک اس کے چہرہ پر مسکراہٹ نہ دیکھ لیتے بے چین ہی رہتے۔

گاؤں کا کوئی طالبِ علم جو استاذ سے تعلق رکھتا ہو، چاہے وہ کسی بھی درجہ میں ہو اگر وہ پڑھائی چھوڑ دیتا تو استاذ اس کے گھر جاتے، منت سماجت کرتے، سمجھاتے اور اسے واپس لانے کی بھرپور کوشش کرتے۔ کئی مرتبہ طلبہ کو سمجھاتے سمجھاتے رو بھی دیتے تھے اور فرماتے: آخرت میں یہی کام آنے والا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ آپ کی اس فہمائش کا خاص اثر ہوتا اور بیسیوں طلبہ ہیں جنہوں نے آپ کی فہمائش اور نصیحت کے بعد اپنی تعلیم مکمل کی اور اب دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ یقیناً یہ سب استاذ کے حق میں صدقۂ جاریہ ہوں گے، ان شاء اللہ۔

ہماری درسگاہ میں گاؤں کا ایک طالبِ علم تھا، پچیس پارے حفظ کر چکا تھا کچھ دن درسگاہ میں آتا پھر چھوڑ دیتا۔ پھر آتا پھر بند کر دیتا، والدین بے چارے غریب تھے، بہت سمجھاتے: بیٹا! پڑھ لے، تھوڑا ہی باقی ہے، ہماری تمنا ہے کہ تو حافظِ قرآن بن

جاوے۔ مگر بیٹا سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں، کچھ دن اثر رہتا اور آتا رہتا؛ مگر وہی اپنی اسی روش پر اتر آتا۔ بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ طالبِ علم کم از کم تیس سے چالیس مرتبہ کلاس سے بھاگ گیا ہوگا، مگر جب بھی وہ درسگاہ آتا استاذ ہر مرتبہ منت سماجت کرتے، اس کے ساتھ خوش روئی سے پیش آتے، ہم سب طلبہ تو اس کی اس حرکت پر بھڑک اٹھتے تھے اور بہت برا بھلا کہتے؛ مگر استاذ کی پیشانی پر ذرا بھی بَل نہ آتا۔ ایسا طالبِ علم جو والدین کو ستانے والا اور استاذ کی صحبت سے بھاگنے والا ہو کب کامیاب ہوسکتا ہے؟ اٹھائیس انتیس پارے حفظ کرنے کے بعد اس پر ایسے حالات آئے کہ نہ پوچھو! اسے پڑھائی چھوڑ دینی پڑی، اور در در کی ٹھوکریں کھانے لگا، استاذ کو بڑا دکھ اور رنج بھی ہوا؛ مگر جب تقدیر تدبیر پر غالب آجائے تو انسان کیا کرسکتا ہے!۔

ہر سال سالانہ چھٹی سے پہلے طلبہ سے معافی مانگ لیتے تھے، فرماتے: بھائی! میری طرف سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کردینا اور اگر کسی کو بدلہ لینا ہو تو بہ خوشی لے سکتا ہے۔ اس کے بعد درسگاہ کے ذی شعور طلبہ کو کچھ نقد دے کر ارشاد فرماتے تھے: تمام طلبہ کو ناشتہ کروادو، تعطیلات کی خوشی تو پہلے سے ہوتی ہے؛ مگر ایسے معاملات سے وہ خوشی دو بالا ہوجایا کرتی تھی۔ جب طلبہ حافظ ہوجاتے اور جس دن دعا ہوتی اس دن درسگاہ میں حافظ ہونے والے طلبہ کو اپنے پاس بلاتے اور سورۂ فاتحہ، سورۂ ناس اور سورۂ بقرہ کی ابتدائی آیات سنتے اور اس کے بعد عطر لگا کر ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

اس کے بعد حفاظ طلبہ کو مخاطب ہوکر ایک شعر پڑھا کرتے تھے۔ ایک ایسا شعر جو دل کے تاروں کو چھو لیتا تھا، یہ شعر سناتے وقت آپ کا مغموم دل کے ساتھ مسکرانا آج تک نظروں میں گھوم رہا ہے، استاذ فرماتے:

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں قافلے ہوں گے	
نگاہیں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہاں ہوں گے	

جس وقت استاذ کا جنازہ اٹھایا گیا اور راقم کے کندھے سے گزرنے لگا، بار بار یہ شعر میرے کانوں میں گونج رہا تھا اور دل میں انقلاب برپا کئے ہوئے تھا کہ واقعتا آج ہر ایک کی نگاہ اس صاحبِ دل کو ڈھونڈھ رہی ہے؛ مگر کسے معلوم تھا کہ وہ جس منزل کی طرف اشارہ کررہے تھے وہاں کا جانے والا کبھی واپس لوٹ کرنہیں آتا، اور خصوصاً جب ایسا مشفق استاذ ہو جو اپنے شاگردوں کو اپنی سگی اولاد کا درجہ دے، پیار ومحبت سے سر پر ہاتھ پھیرے، ہر وقت طلبہ کی فکر میں رہے اس کی جدائی ہر کسی کو اپنی محرومی کا احساس دلاتی ہے۔

آپ کو ایک طالبِ علم سے بڑی انسیت تھی، اس کے ساتھ ہمیشہ شفقت کا معاملہ فرماتے، مگر اسے بار بار غیر حاضری کی عادت تھی، استاذ کو ایسی باتیں گوارانہیں تھیں، ایک دن اس کی خوب پٹائی کی، وہ طالبِ علم چوں کہ حافظ ہو چکا تھا اس نے اسی دن سے پڑھائی چھوڑ دی، استاذ نے کئی مرتبہ اس سے معافی مانگی کہ تو نے میری وجہ سے پڑھائی چھوڑ دی، مجھے معاف کردینا۔ استاذ کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد وہ طالبِ علم جب مجھے ملا تو کہنے لگا: جب بھی استاذ صاحب مجھے ملتے تھے تو ہر مرتبہ مجھ سے معافی مانگتے کہ مجھے معاف کردینا۔ استاذ نے اپنے پاس پڑھے ہوئے حفاظ طلبہ کی جو فہرست بنائی تھی اس میں اس طالبِ علم کے نام کے سامنے یہ بات بھی لکھی ہوئی تھی کہ اس طالبِ علم نے فلاں تاریخ کو پڑھائی چھوڑ دی۔

طلبہ کی تربیت

حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کے اخلاق پر خوب دھیان دیتے تھے، ان کے معاملات کی طرف خصوصی توجہ ہوتی، اپنے محلے کے طلبہ کی نماز کا تو خوب خیال رکھتے تھے، کسی نماز میں کوئی طالبِ علم نظر نہ آتا تو فوراً پوچھتے: نماز پڑھی؟ کہاں گیا تھا؟ اگر کسی طالبِ علم کو آفس سے یا کسی استاذ کی طرف سے بلاوا آتا تو فوراً تحقیق فرماتے کہ اس طالبِ علم کی کوئی شکایت تو نہیں؟ کیا بات ہے؟ کیوں بلایا گیا؟ بسا اوقات طلبا سے مسنون دعا بھی سن لیا کرتے تھے۔ سبق وآموختہ سے فراغت پا کر طلبہ اگر تفریحِ طبع کے لیے کبھی کبھار کچھ بات چیت کر لیتے تو استاذ نظر انداز کر کے چشم پوشی فرماتے اور ایک حرف نہ کہتے۔

ہاں! مگر آپ کو ایک بات ہرگز گوارا نہ تھی جس کی وجہ سے آپ طلبہ سے بہت زیادہ ناراض بھی ہوتے تھے اور وہ مغرب کے بعد کی پڑھائی میں طلبہ کا آپس میں باتیں کرنا یا کسی اور استاذ کی طرف سے ان کی درسگاہ کے کسی بھی طالبِ علم کی شکایت کا آنا۔ اگر کسی طالبِ علم نے کوئی شرارت کی اور شکایت پہنچی تو ہم سب طلبہ پہلے ہی سے سبق وآموختہ پختہ یاد کر کے لے جاتے تھے، ہم سمجھ جاتے تھے کہ آج پوری درسگاہ کا نمبر لگے گا، استاذ خوب پٹائی کریں گے شریر طالبِ علم کی تادیب کرنے کے ساتھ ساتھ درسگاہ کے سمجھدار طلبہ کو بھی ساتھ ساتھ سزا دیتے تھے کہ آپ لوگ سمجھدار ہیں، آپ نے اسے کیوں نہیں سمجھایا؟ مجھے پہلے سے آ کر کیوں نہیں بتایا۔

استاذ کی نظر میں ہوشیار ہو یا غبی، تمام طلبہ یکساں تھے، اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ: ہوشیار کو حافظِ قرآن بنانا یہ کوئی کمال کی بات نہیں، بلکہ غبی طالبِ علم پر محنت کر کے اسے

حافظِ قرآن بنانا یہ کمال کی بات ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ کئی غبی طلبہ پر محنت کر کے آپ نے انہیں حافظِ قرآن بنا کر دکھایا۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی

جیسا بڑوں کے ساتھ اکرام کا معاملہ ہوتا اسی طرح اپنے چھوٹوں کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے۔ راقم الحروف جس وقت آپ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حفظ پڑھتا تھا، اس وقت حفاظِ کرام کا ایک مسابقہ منعقد ہوا، ہماری درسگاہ میں سے بندے کا اور ایک دوسرے طالبِ علم کا انتخاب ہوا، مگر انٹرویو میں وہ دوسرا ساتھی کامیاب نہ ہوسکا، اور بندہ کامیاب رہا، استاذ کے شاگردوں میں سے بندہ ہی پہلا طالبِ علم تھا جسے حفظ کے زمانہ میں کسی مسابقے میں شرکت کا موقع ملا تھا۔ استاذ نے مسابقہ کے لیے بہت محنت فرمائی، مجھے اکیلا لے کر بیٹھتے اور پورا آموختہ از اول تا آخر بذاتِ خود سنتے تھے، اور دیگر طلبہ کی آپس میں جوڑی بنادیتے، جب مسابقہ منعقد ہوا، آپ بھی اس جگہ موجود تھے، اس عاجز نے اپنی سی کاوش پیش کی تو استاذ بہت خوش ہوئے۔ دوسرے دن درسگاہ میں آ کر فرمانے لگے: وسیم پہلے سوال پر تھوڑا گھبرا گیا تھا، باقی دوسوال میں برابر رہا۔ یہ الفاظ کہتے وقت استاذ جس طرح مسکرا رہے تھے وہ مسکراہٹ آج بھی میری نظروں میں گھوم رہی ہے۔ اس کے بعد استاذ نے بعد المغرب مجھے درسگاہ کے باہر بلا کر کچھ چاکلیٹ اور سو روپیہ ہدیتاً عنایت فرمائے، پھر بعد میں دوسرے ساتھی کو بلا کر اسے بھی سو روپے عنایت کیے۔ اور فرمایا: انتخاب نہ ہوا تو کیا ہو گیا محنت تو کی تھی نا!۔

اسی طرح طلبہ کبھی پختہ آموختہ سناتے تو انہیں بھی عطر لگا کر ماشاء اللہ کہہ کر ۲۰ یا

۳۰روپے لفافہ میں رکھ کر عنایت فرماتے تھے، اس طرح آپ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ بڑوں کی طرف سے چھوٹوں کی یہ حوصلہ افزائی بالآخران کی ترقی کا زینہ ثابت ہوئی اور بادی النظر میں معمولی دکھائی دینے والی یہ حوصلہ افزائیاں اپنے پیچھے کامیابیوں کے مسرت افزا پیغامات لاتی تھیں، کاش! اس مردِ قلندر کی سی دوبیں نظر، اس درویش کا سا عالی ظرف اوراس جفاکش بےلوث انسان جیسی لگن ہم سب قارئین کو بھی نصیب ہوجائے۔

بابِ دوم

بکھرے موتی

استاذ محترم حضرت مولانا سلیم ڈابھیلی صاحبؒ اگرچہ درجۂ حفظ کے استاذ تھے؛ مگر ذوقِ مطالعہ وشوقِ کتب بینی ان کی زندگی کا لازمہ تھا، اور نہ صرف یہ کہ مطالعہ کرتے تھے؛ بلکہ مطالعے کے دوران قیمتی باتیں نوٹ کرنے کا بھی معمول تھا۔ آپ کی وفات کے بعد اس طرح کی چار ضخیم کاپیاں ہاتھ لگیں، جن میں استاذ محترم نے بیش قیمت جواہر پاروں اور دیدہ زیب موتیوں کو جمع کر رکھا تھا، پوری چار ضخیم کاپیاں اشاعت کے قابل تھیں؛ مگر ضخامت وطوالت کے خوف سے انتخاب کیا گیا ہے۔ منتخب کردہ اقتباسات کی مراجعت یا حوالجات کی جستجو کا وقت کی تنگ دامانی کے باعث موقع نہیں مل سکا؛ اس لیے جوں کا توں آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ استاذ جی ہر قسم کے اشعار کا بھی عمدہ ذوق رکھتے تھے، مشتے نمونہ از خروارے وہ بھی حاضرِ خدمت ہے۔ استاذ جی جیسے نفوس شاگردوں کی شکل میں صدقۂ جاریہ چھوڑ گئے ویسے نقوش بھی بیاض کی شکل میں چھوڑ گئے، جو ایک عرصے تک زندہ رہیں گے، ان شاء اللہ۔

(مرتب)

وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال

وحی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وزن بہت بڑھ جایا کرتا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اونٹنی پر سوار ہوتے اور وحی نازل ہوتی تو وہ اونٹنی اپنی گردن گرادیتی اور جب تک وحی ختم نہ ہوتی وہ حرکت نہ کرسکتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ: جب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھے یہ خیال ہوتا ہے کہ میری جان نکل جائے گی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب آیت شریفہ: ﴿لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ غَیْرُ اُوْلی الضَّرَرِ﴾ نازل ہوئی تو میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضور پر غشی جیسی طاری ہوئی تو حضور کی ران میری ران پر رکھی گئی، مجھے ایسا لگا کہ اس کے وزن سے میری ران ٹوٹی جارہی ہے۔ اللہ کے پاک کلام کی عظمت و ہیبت (خوف) تھی، جس کو ہم لوگ ایسے سرسری اور لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جیسا کہ ایک معمولی کلام ہو۔

کلامِ پاک کی سفارش

حضرت سعید بن سلیم رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت کے نزدیک کلامِ پاک سے بڑھ کر کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا، نہ کوئی نبی، نہ کوئی فرشتہ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ: روزہ اور قرآن شریف دونوں بندے کے لیے شفاعت کرتے ہیں، روزہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا

ہے: یا اللہ! میں نے تیرے اس بندے کو دن کے حصہ میں کھانے پینے سے روکے رکھا، اس بندے کے لیے میری شفاعت قبول فرما، اور قرآن شریف کہتا ہے کہ یا اللہ! میں نے رات کے تیسرے حصہ میں اس بندے کو سونے سے روکا، لہٰذا اس بندے کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ پس اللہ کے دربار میں دونوں کی شفاعت قبول ہوگی۔

آیت الکرسی کی فضیلت

بیمار شخص اگر آیت الکرسی کی تلاوت کرے تو یقینا شفا ہوگی۔
حدیث پاک میں ہے: آیت الکرسی اللہ کی کتاب کے لحاظ سے افضل ترین آیت ہے۔
یہ آیتِ شریفہ قرآنِ کریم کی تمام آیتوں کی سردار ہے۔
آیت الکرسی لکھ کر مال میں رکھنا بہت زیادہ برکت کا باعث ہے۔
آیت الکرسی سے شیطان بہت دور بھاگتا ہے۔
آیت الکرسی پڑھنے سے پریشانیاں اور مصیبتیں دور ہوتی ہیں۔
اٹھتے بیٹھتے کثرت سے آیت الکرسی کی تلاوت کرنی چاہیے۔

سورۂ یٰسین

سورۂ یٰسین شریف مکیہ ہے، یعنی یہ سورۂ شریفہ مکۂ معظّمہ میں نازل ہوئی اس میں پانچ رکوع، تیراسی آیتیں، سات سو انتیس کلمے، تین ہزار حروف ہیں۔

ترمذی کی حدیث شریف میں ہے کہ: جنابِ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: بیشک ہر چیز کے لیے ایک دل ہے، اور قرآن پاک کا دل سورۂ یٰسین شریف ہے۔ اور جو شخص سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ پڑھنے والے

کے حق میں دس مرتبہ کامل قرآنِ پاک پڑھنے کا ثواب لکھتے ہیں۔ نیز فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جس مسلمان مرد یا عورت کے سامنے حالتِ نزع میں سورۂ یٰسین شریف پڑھی جائے گی تو ہر حرف کے بدلے دس دس فرشتے رحمت کے نازل ہو کر صاحبِ نزع کے ساتھ صف باندھ کر کھڑے ہوں گے، اور اس کے واسطے رحمت کی التجا کریں گے، اور مغفرت کے ملتمس ہوں گے اور اس کے نہلاتے وقت حاضر رہیں گے اور جنازے کے ساتھ چلیں گے۔

نیز فرمایا حضور پاک ﷺ نے کہ: اس سورۂ شریفہ کو بہت پڑھا کرو، کیوں کہ اس میں بہت سے فائدے ہیں۔

شارحین نے اس حدیث پاک کی شرح میں کہا ہے کہ: اگر کوئی بھوکا انسان خلوصِ دل حضورِ قلب سے پڑھے گا تو اللہ رب العزت اپنے فضل و کرم سے اس کی بھوک دفع کرے گا، اور قوتِ ملکیہ اس کی غذا ہو جائے گی۔ اگر خوفزدہ شخص اس سورہ شریف کی تلاوت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کا خوف دور فرمائے گا، اگر قرض دار پڑھے گا تو بارِ قرض سے سبک دوش ہو جائے گا۔ اگر کوئی حاجت منداس سورۂ شریفہ کی تلاوت کرے گا تو اس کی حاجت برآئے گی، اور جو شخص اس سورۂ شریفہ کی صبح کے وقت تلاوت کرے گا تو شام تک اللہ کی امان میں رہے گا، اور جو شخص رات میں تلاوت کرے گا، صبح تک مع اہل وعیال کے اللہ تعالیٰ کی امان میں رہے گا۔ اگر یٰسین شریف میت پر پڑھی جائے تو عذابِ قبر میت پر ہلکا کر دیا جائے گا اگر میت اہلِ عذاب میں سے ہے تو، ورنہ میت کی راحت وخوشی زیادہ ہوگی، اس لیے کہ قبر یا تو ایک باغ ہے بہشت کے باغوں میں سے یا ایک گڑھا ہے دوزخ کے گڑھوں میں سے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام مسلمانوں کو

سورۂ یٰسین شریف کی تلاوت کرنے والا بنادے۔آمین

”ویل“ کی تفسیر

مقاتل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ”ویل“ ایک وادی ہے جہنم میں، جس کی گہرائی ستر سال ہے، جس میں ستر ہزار گھاٹیاں ہیں، ہر گھاٹی میں ستّر ہزار شق ہے، اور ہر شق میں ستّر ہزار غار ہیں، اور ہر غار میں ستّر ہزار تابوت ہیں، اور ہر تابوت میں ستّر ہزار درخت ہیں، اور ہر درخت پر ستّر ہزار ڈالیاں ہیں، اس کی ہر ڈالی میں ستّر ہزار پھل ہیں، جس کی لمبائی ستّر ہزار گز ہے، اور ہر درخت کے نیچے ستّر ہزار اژدہے ہیں، اور ستّر ہزار بچھو ہیں، اور ہر اژدہے کی لمبائی ایک مہینے کی مسافت ہے، اور چوڑائی پہاڑ کی طرح ہے اور اس کے انیاب کھجور کے درخت کی طرح ہے۔(اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنهُ)

قرآنِ کریم میں ذکرِ خیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۲۷ر جگہ آیا ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۷۱ر جگہ آیا ہے۔
حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۴۹ر جگہ آیا ہے۔
حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۲۷ر جگہ آیا ہے۔
حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۲۷ر جگہ آیا ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۲۵ر جگہ آیا ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۲۵ر جگہ آیا ہے۔
حضرت ہارون علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۹ر جگہ آیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۷/جگہ آیا ہے۔

حضرت اسحاق علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۷/جگہ آیا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۶/جگہ آیا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۶/جگہ آیا ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۲/جگہ آیا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱۱/جگہ آیا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۹/جگہ آیا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۸/جگہ آیا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۶/جگہ آیا ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۴/جگہ آیا ہے۔

حضرت الیاس علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۳/جگہ آیا ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۲/جگہ آیا ہے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کا ذکر قرآن میں ۱/جگہ آیا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر قران میں ۵/جگہ آیا ہے۔

احسن الخالقین کی ایک جھلک

خدائے تعالیٰ نے آفتاب کو چمکدار روشنی، ماہتاب کو نور، شب کو تاریکی، ہوا کو لطافت، پہاڑوں کو کثافت اور پانی کو رقت انگیز بنایا ہے۔

پس نور کو فرشتوں کا حصہ، اور چمکدار روشنی کو حور (حورِعین) کا حصہ اور تاریکی کو

زبانیہ یعنی دوزخ کے دربانوں کا حصہ، رقت کو شیطانوں کا حصہ اور لطافت کو جنّ کا حصہ اور کثافت کو چوپایوں کا حصہ دیا ہے۔

پھر یہ سب بنی آدم میں جمع کر دیا ہے۔

نور کو دونوں آنکھوں کا حصہ، چمکدار روشنی کو چہرے کا حصہ، تاریکی کو بالوں کا حصہ، لطافت کو روح کا حصہ، کثافت کو ہڈیوں کا حصہ اور رقّت کو دماغ کا حصہ بنایا ہے۔

اور چوں کہ خدا نے ایک ہی صورت میں ضدوں کو جمع کر دیا ہے؛ اس لیے ﴿تَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ سے اپنی مدح فرمائی۔

مختلف سورتوں کے فضائل

(۱) جو شخص سورۂ کہف جمعہ کے دن پڑھے گا اس کے دو جمعہ کے مابین نور اور روشنی ہوگی۔ (بیہقی)

(۲) ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورۂ یٰسین ہے، جس نے پڑھی یٰسین دس مرتبہ قرآن پڑھنا اللہ تعالیٰ اس کے لیے لکھے گا۔ (ترمذی)

(۳) جو شخص سورۂ دخان شبِ جمعہ پڑھے اس کی مغفرت ہو جائے گی۔

(۴) جو شخص سورۂ واقعہ ہر رات پڑھے گا اس کو کبھی فاقہ نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

(۵) جو شخص سوتے وقت داہنی کروٹ لیٹ کر بستر پر سو مرتبہ ﴿قُل هو اللهُ احد﴾ پڑھے، قیامت کے دن رب تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا۔ (ترمذی)

(۶) جو شخص اللہ کی رضا کے لیے یٰسین پڑھے گا اس کے اگلے پچھلے گناہوں کی مغفرت ہو جائے گی، لہٰذا اس کو اپنے مردوں کے پاس پڑھو۔

سایۂ عرش کس کس کو ملے گا؟

حدیث: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: سات آدمی ہیں جن کو اللہ جل شانہٗ اپنے رحمت کے سایہ میں ایسے دن جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

حدیث: ایک: عادل بادشاہ، دوسرے: وہ جوان جو جوانی میں اللہ کی عبادت کرتا ہو، تیسرے: وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہو، چوتھے: وہ شخص جن میں اللہ ہی کے واسطے محبت ہو اسی پر ان کا اجتماع ہوتا ہو اور اسی پر جدائی، پانچویں: وہ شخص جس کو حسین شریف عورت اپنی طرف متوجہ کرے اور وہ کہہ دے کہ مجھے اللہ کا ڈر مانع ہے، چھٹے: وہ شخص جو ایسے مخفی طریقے پر صدقہ کرے کہ دوسرے ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو، ساتویں: وہ شخص جو اللہ کا ذکر تنہائی میں کرے اور آنسو بہنے لگے۔

شرکِ اصغر

ایک حدیث میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف شرکِ اصغر کا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! شرکِ اصغر کیا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دکھاوے کے لیے عمل کرنا۔ (اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا مِنهُ)

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے اقوال

☆ تمام آدمیوں میں سب سے اچھا وہی جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

☆ اور اسی کا دین بھی اچھا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

☆ حسنِ اخلاق ایمان کی معراج ہے، تجھے اپنے اوپر اچھے اخلاق فرض کرلینا چاہیے۔

☆ تم میں سب سے خراب وہ ہے جس کے اخلاق اچھے نہیں۔

☆ ہر گناہ کے لیے توبہ موجود ہے؛ لیکن برے اخلاق کے لیے توبہ نہیں ہے۔

☆ اللہ اس بندے کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا جو اس کے بندوں کے ساتھ ترش روئی سے پیش آتا ہے۔

☆ ایمان لانے کے بعد عقل کی بات یہ ہے کہ انسان سارے آدمیوں سے محبت کرے اور ہر اچھے برے کے ساتھ نیکی کرے۔

☆ اپنوں کے ساتھ نیکی کرنے سے عمر بڑھتی ہے اور رزقِ کثیر حاصل ہوتا ہے۔

☆ جو کام مغفرت کرانے والا ہے وہ ہے شیریں بیانی۔

☆ جو نرمی سے محروم رہا وہ نیکی سے محروم رہا۔

لب بندو چشم بندو گوش بند		آں تعبیرِ در علومِ انبیاء

منہ سے بُرا مت بولو، آنکھوں سے بُرا مت دیکھو، کانوں سے بُرا مت سنو، یہی تمام انبیا کے علوم کی تعبیر ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اللہ سے ڈرتے رہو سب سے بڑے عالم بن جاؤ گے۔

قناعت اختیار کرو سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔

خدا کا ذکر خوب کیا کرو، خدا کے خاص بندے بن جاؤ گے۔

کسی پر ظلم نہ کرو قیامت کے دن نور تمہارے ساتھ ہوگا۔

کثرت سے استغفار کرو، تمہارے گناہوں میں کمی ہوگی۔

حرام چیزوں اور حرام باتوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو جو دعا مانگو گے قبول ہوگی۔

بدکاری سے بچو قیامت کے دن رسوا نہ ہوگے۔

اوروں کی پردہ پوشی کرو خدا تمہاری پردہ پوشی کرے گا۔

کسی پر بے جا غصہ نہ کرو خدا کے غضب اور ناراضگی سے بچتے رہو گے۔

دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تو سب سے عادل اور منصف بن جاؤ گے۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جس شخص نے دوسرے انسان کے ساتھ دھوکہ بازی کی وہ ہم میں سے ہرگز نہیں ہوسکتا۔

چغل خور انسان ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

قبر کا عذاب برحق ہے، قبر کے عذاب سے پناہ مانگا کرو۔

روزہ عذاب سے بچنے کے لیے ایک ڈھال ہے۔

ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز سے پرہیز کیا کرو۔

جب تم کوئی برائی کرو تو فوراً اللہ سے توبہ کیا کرو معاً کوئی نیک کام بھی کرلیا کرو۔

زنا کرنا فقیری لاتا ہے۔

تم میں سے کسی کو غصہ آجائے تو اسے لازم ہے کہ خاموش ہوجائے۔

راستے کا حق کیا ہے؟

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: راستے میں مت بیٹھا کرو، صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کے بغیر تو چارہ نہیں؟ راستے میں بیٹھ کر ہم باتیں کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم کو راستے میں بیٹھنا ہی ہے تو راستے کا حق ادا کیا کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راستے کا حق کیا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (۱) نظر نیچی رکھنا۔ (۲) راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو دور کرنا (۳) کسی کو تکلیف نہ پہنچانا۔ (۴) سلام کا جواب دینا۔ (۵) اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا۔

نو باتیں

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے میرے پروردگار نے نو باتوں کا حکم دیا ہے۔

(۱) خلوت اور جلوت میں ہر حالت میں اللہ سے ڈرتا رہوں۔

(۲) خوشی ہو یا غصہ دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کروں۔

(۳) ناداری ہو یا فارغ البال دونوں حالتوں میں انصاف کی بات کہوں۔

(۴) مجھ سے کوئی رشتہ توڑنا بھی چاہے تو میں اس سے رشتہ جوڑوں۔

(۵) جو مجھے محروم کرے میں اس کے ساتھ سلوک کروں۔

(۶) جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کردوں۔

(۷) میری خاموشی غور وفکر کے لیے ہو۔

(۸) میری گفتگو نصیحت کے لیے ہو اور میرا دیکھنا عبرت کے لیے ہو۔

(۹) میں بھلائی کا حکم دوں۔

خلوص

حضور! مجھے کچھ نصیحت فرمائیے: یمن کے گورنر نے یمن کی طرف جاتے ہوئے درخواست کی: ''معاذ اپنے ذہن میں خلوص پیدا کرو تھوڑا سا عمل بھی کافی ہوجائے گا''۔

توشۂ آخرت

حدیث شریف: سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین چیزوں کے سوا کسی چیز میں انسانی حق نہیں ہے: (۱) رہنے کا گھر، (۲) شرمگاہ کے چھپانے کو کپڑا، (۳) روکھی روٹی اور پانی، یعنی ان تین چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ انسان سے سوال نہیں فرمائے گا، باقی ان کے سوا جو کچھ بھی بندے کے استعمال میں آیا ہوگا اس کا سوال ہوگا، اور اس کے بدلے میں عمل طلب کیا جائے گا؛ لہٰذا جس نے کم چیزیں استعمال کی ہوگی آخرت کے دن اسی قدر نفع میں رہے گا، اس کے لیے تھوڑا عمل بھی نجات کا باعث بن سکے گا، جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے: ''جو تھوڑی (عطا، روزی) پر راضی ہوجائے اللہ تعالیٰ اس سے تھوڑے عمل پر راضی ہوجائے گا۔

اللہ رب العزت کی بے شمار نعمتوں سے ہر انسان فیض یاب ہو رہا ہے جس کا اسے احساس بھی نہیں ہے، ایک اندھے سے پوچھو آنکھوں کی قدر، ایک گونگے سے پوچھو زبان کی قدر، ایک مفلوج سے پوچھو ہاتھ پیروں کی قدر، ان کے علاوہ ہوا، پانی، کھانا۔ غرض! اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو ہم شمار نہیں کر سکتے، اَن گنت نعمتوں کا تو ذکر ہی کیا صرف ایک نعمت کو پورے طور پر شمار نہیں کر سکتے، جیسا کہ خود اللہ رب العزت فرماتا ہے: ﴿إن

تعدوا نعمة الله لا تحصوها﴾ اگر تم ایک نعمت کو بھی شمار کرو تو نہیں کر سکتے، ان تمام نعمتوں کی قیمت ہم کو کروڑوں نیکیوں سے آخرت میں ادا کرنی پڑے گی، جن کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی میں چند باتیں عملی طور پر داخل کر لیں اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرنے کی دعوت دیں۔

فرمانِ رسول: عصبیت کی مذمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کو دعوت دے، وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت کے جذبے سے جنگ نہ کرے، اور وہ بھی ہم میں سے نہیں ہے جو عصبیت پر مرے۔

جب چاپلوس کو افضل سمجھا جائے

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قربِ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ: ''لوگ ظاہر میں بھیڑوں کی طرح مسکین اور باطن میں بھیڑیوں کی طرح ہوں گے، اس وقت ان میں سب سے افضل وہ سمجھا جائے گا جو چاپلوس ہو۔

عیدگاہ آنا جانا

روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عیدگاہ جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے مختلف راستوں سے آتے جاتے تھے، ایک راستے سے تشریف لاتے اور دوسرے راستے سے واپس آتے، بعض نے اس کا مقصد یہ بیان کیا ہے کہ دونوں راستوں کے

مسکینوں کو سلام کرسکیں، بعض کے نزدیک یہ مقصد تھا کہ دونوں راستوں کے حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرسکیں۔ ایک قول کے مطابق یہ مقصد تھا کہ زیادہ سے زیادہ زمین کا ہر ٹکڑا گواہی دے؛ کیوں کہ مسجد اور عیدگاہ میں جانے والے کے ہر ایک قدم پر اس کا درجہ بلند ہوگا، اور ہر دوسرے قدم پر اس کا ایک گناہ معاف ہوگا، اس طرح جب وہ گھر لوٹے گا تو ہر ہر قدم پر بخشش اور مغفرت ملے گی۔

حیاتِ طیبہ ایک نظر میں

(۱) رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۲ / ربیع الاول دوشنبہ (پیر) بوقتِ صبح صادق مکۂ معظّمہ میں پیدا ہوئے۔

(۲) چالیس سال کی عمر میں ۱۷/رمضان المبارک مطابق یکم فروری ۶۱۰ء کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت عطا ہوئی۔

(۳) آپ نے تیرہ سال مکۂ معظّمہ میں تبلیغ فرمائی اور تمام دنیا کو نیکی اور توحید کا پیغام دیا۔

(۴) شدتِ ظلم وستم کی بنا پر ۵ سنہ نبوی میں انفرادی ہجرت کا حکم ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پندرہ رفقا حبشہ میں مقیم ہوئے۔

(۵) سن ۱۲ نبوی میں طائف کا تبلیغی سفر فرمایا اور اسی سال ماہِ رجب دوشنبہ ستائیسویں شب کو معراج ہوئی۔

(۶) سن ۱۳ نبوی ۲۷/صفر کو مکۂ معظّمہ سے مدینۂ منورہ کی جانب ہجرت فرمائی۔

(۷) ۱۴/ دن قبا میں قیام فرما کر دوشنبہ ۲۲ / ربیع الاول کو نورافزائے مدینہ ہوئے۔

(۸) ۱ھ میں مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھی، پانچ وقت کی نمازیں معراج میں فرض ہو چکی تھیں۔

(۹) ۲ھ میں اذان کا حکم ہوا، روزے فرض ہوئے، غزوۂ بدر پیش آیا جس میں حق کو فیصلہ کن کامیابی نصیب ہوئی۔

(۱۰) ۳ھ میں زکوۃ فرض ہوئی، شراب حرام ہوئی، غزوۂ احد پیش آیا۔

(۱۱) ۵ھ میں پردے کا حکم آیا، غزوۂ خندق پیش آیا۔

(۱۲) ۶ھ میں قریش کے ساتھ حدیبیہ کا معاہدہ ہوا۔

(۱۳) ۷ھ میں سلاطینِ عالم کو خطوط کے ذریعہ دعوتِ اسلام دی۔

(۱۴) ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، غزوۂ حنین و طائف پیش آئے۔

(۱۵) ۹ھ میں تبوک کے لیے روانہ ہوگئے، حج فرض ہوا۔

(۱۶) ۱۰ھ میں ایک لاکھ چوبیس ہزار فرزندانِ اسلام نے حجۃ الوداع ادا فرمایا۔

(۱۷) ۱۱ھ میں ۲۸/ صفر بدھ کے دن دردِ سر سے مرض وفات کا آغاز ہوا، ۶۳/ سال کی عمر میں ۱۲/ ربیع الاول پیر کو ۱۱ھ رفیقِ اعلیٰ سے جاملے۔ ۱۳/ ربیع الاول کو رات کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں تدفین عمل میں آئی۔

(۱۸) اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم میں ولادت سے لے کر وصال تک ۲۲۳۴۳/ دن تک قیام فرمایا۔

انبیائے کرام کی عمریں

حضرت آدم علیہ السلام ۱۰۰۰/ سال ۹۳۰

حضرت شیث علیہ السلام	۸۸۲/سال	۹۱۲
حضرت ادریس علیہ السلام	۳۵۲/سال	۳۶۵
حضرت نوح علیہ السلام	۹۵۰/سال	-------
حضرت ہود علیہ السلام	۴۶۵/سال	۴۶۵
حضرت صالح علیہ السلام	۵۸۶/سال	۱۸۰
حضرت ابراہیم علیہ السلام	۱۹۷/سال	۱۷۵
حضرت اسماعیل علیہ السلام	۱۳۷/سال	-------
حضرت اسحاق علیہ السلام	۱۲۰/سال	۱۸۰
حضرت یعقوب علیہ السلام	۱۲۹/سال	۱۸۰
حضرت یوسف علیہ السلام	۱۱۰/سال	------
حضرت موسیٰ علیہ السلام	۱۲۵/سال	۱۲۰
حضرت ہارون علیہ السلام	۱۱۹/سال	۱۳۰
حضرت سلیمان علیہ السلام	۱۵۰/سال	۱۸۰
حضرت داؤد علیہ السلام	۲۰۲/سال	------
حضرت زکریا علیہ السلام	۲۰۷/سال	------
حضرت ایوب علیہ السلام	۱۴۰/سال	------
حضرت شعیب علیہ السلام	۲۲۵/سال	-------
حضرت عیسیٰ علیہ السلام	۳۶/سال	۳۰
حضرت یحییٰ علیہ السلام	۹۵/سال	۱۹۵

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۶۳ رسال ــــــ۔

وہ چار بچے جنہوں نے بچپن میں بات کی تھی

(۱) حضرت عیسیٰؑ

(۲) حضرت یوسفؑ کی گواہی جس بچے نے دی تھی۔

(۳) حضرت جریج کی پاکدامنی پر جس بچے نے گواہی دی۔

(۴) ایک مرتبہ ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پلا رہی تھی، اتنے میں ایک شخص گھوڑے پر سوار گذرا، عورت نے کہا: اے اللہ! میرے بچہ کو اس جیسا بنانا۔ فوراً بچہ بولا: اے اللہ مجھ کو اس جیسا مت بنانا۔ (حدیث)

وہ چار انسان جن پر تہمت لگائی گئی تھی

(۱) حضرت عائشہؓ۔

(۲) حضرت مریم۔

(۳) حضرت یوسفؑ۔

(۴) حضرت موسیٰؑ۔

اقوالِ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

مصائب گناہوں کا نتیجہ ہوتے ہیں، گناہ گار کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ مصیبتوں کے نزول کے وقت واویلا کرے۔

علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسے جسم روح کے بغیر۔

حصولِ علم کے لیے دل جمعی درکار ہے اور دل جمعی معمولات کے بڑھانے سے نہیں گھٹانے سے حاصل ہوتی ہے۔

کردار انسان کا آئینہ ہے۔

ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جانے سے بہتر ہے کہ جوانی میں جہاد کر کے مر جائے۔

ایک واقعہ

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں ایک دن بازار جارہا تھا، میرے ساتھ میری حبشی باندی بھی تھی، میں اس کو ایک جگہ بٹھا کر آگے چلا گیا، اور اس سے کہہ گیا کہ میرے واپس آنے تک یہیں بیٹھی رہنا، میں تھوڑی دیر میں واپس آتا ہوں۔

لیکن جب واپس آیا تو باندی اس جگہ موجود نہیں تھی، مجھے بہت غصہ آیا، اور غصہ کی حالت میں ہی گھر واپس آ گیا، باندی گھر پر موجود تھی، جب اس نے مجھے دیکھا تو میرے چہرے سے غصے کو محسوس کیا، وہ بڑی عاجزی سے کہنے لگے: میرے آقا! عتاب میں جلدی نہ کیجیے، ذرا میری بات سن لیجیے، آپ مجھے ایسی جگہ بٹھا کر گئے تھے جہاں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا، مجھے یہ ڈر ہوا کہ یہ جگہ کہیں زمین میں نہ دھنس جائے، کیوں کہ جس جگہ اللہ کا ذکر نہ ہو اس جگہ جتنی جلدی عذاب آ جائے قرینِ قیاس ہے۔ باندی کی اس بات سے مجھے بڑا تعجب ہوا، میں نے اس سے کہا کہ جا تو آزاد ہے''۔

وہ کہنے لگی: میرے آقا! آپ نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا، میں نے کہا کیوں؟ باندی کہنے لگی: جب تک میں آپ کی باندی تھی، مجھے میرے پروردگار کی

طرف سے دوہرا ثواب ملتا تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ: ’’غلام اللہ جل شانہ کی اطاعت کرے اور اپنے آقا کی خدمت کرے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے‘‘۔

اب آپ نے مجھ باندی کو آزاد کر کے میرا ایک اجر ضائع کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فراست

ایک مرتبہ دو آدمیوں نے ایک عورت کے پاس کچھ رقم امانت رکھی اور کہا جب تک ہم دونوں ایک ساتھ تمہارے پاس نہ آئیں، یہ رقم واپس نہ دینا۔ عورت نے رقم اپنے پاس رکھ لی، کچھ دنوں بعد ان میں سے ایک شخص اس عورت کے پاس آیا اور بولا: وہ رقم جو تمہارے پاس امانت رکھی ہے واپس کر دو۔

عورت نے کہا: تم نے میرے پاس اس شرط پر رقم رکھی ہے کہ جب تم دونوں ایک ساتھ رقم لینے آؤ گے تب میں تمہیں رقم دوں گی، پھر میں تمہیں کیسے رقم دے سکتی ہوں؟

اس شخص نے کہا کہ: افسوس! میرے ساتھی کا انتقال ہو گیا۔ عورت نے کہا: میں اسے کیوں کر مان لوں کہ تمہارا ساتھی مر گیا ہے۔ اگر وہ زندہ ہو اور اس نے آکر مجھ سے رقم کا مطالبہ کیا تو میں اسے کیا جواب دوں گی؟ تم اپنے ساتھی کے مرنے کا کوئی ثبوت پیش کرو۔ وہ شخص بولا: میں ثبوت کہاں سے لاؤں؟ غرض! اس نے عورت کو اس قدر پریشان کیا کہ عورت رقم دینے پر مجبور ہو گئی۔

کچھ عرصہ کے بعد دوسرا شخص آیا اور اس نے رقم کا مطالبہ کیا۔ عورت نے کہا کہ رقم تو تمہارا ساتھی لے گیا۔ وہ بولا: تم نے اس کو رقم کیوں دی؟ حالاں کہ تم سے کہہ دیا گیا تھا کہ جب تک ہم دونوں ایک ساتھ نہ آئیں تم رقم نہیں دو گی، عورت بولی: میں تو اسے

نہیں دے رہی تھی اور اس سے مطالبہ کر رہی تھی کہ رقم لینی ہے تو وہ تمہیں لے کر آئے؛ لیکن اس نے کہا کہ: تمہارا تو انتقال ہو گیا ہے۔ اس شخص نے کہا: میں یہ سب کچھ نہیں جانتا، کیوں کہ تم نے تو شرط کے خلاف اسے رقم دے دی ہے، اس لیے جس طرح بھی ہو تم مجھے رقم ادا کرو۔

آخر یہ سارا معاملہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا، آپ رضی اللہ عنہ ان دونوں کی مکّاری اور چالا کی سمجھ گئے۔

چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دونوں کا بیان سن کر مدّعی سے فرمایا: جب تم نے اس شرط پر عورت کے پاس رقم امانت رکھی تھی کہ جب دونوں ایک ساتھ آؤ گے تو رقم واپس دی جائے گی، تو پھر تم رقم واپس لینے تنہا کیوں آئے ہو؟ جاؤ! اپنے ساتھی کو لے کر آؤ، جب تک تم اپنے ساتھی کو لے کر نہ آؤ گے تمہیں رقم کے مطالبہ کا کوئی حق نہیں ہے"۔

حضرت علی کرّم اللہ وجہہ کی فراست والا فیصلہ سن کر وہ شخص لاجواب ہو گیا، اور چپ چاپ واپس چلا گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ دونوں فریب سے (دھوکہ) سے رقم وصول کرنا چاہتے تھے۔

محل میں دو نقص

امیر المومنین مہدی نے ایک نیا محل تعمیر کروایا، خلیفہ نے فرمایا: کسی شخص کو اس محل کے نظارے سے منع نہ کیا جائے، ناظرین یا تو دوست ہوں گے یا دشمن، اگر دوست ہیں تو خوش وخرم ہوں گے، اور ہمیں دوستوں کی خوش دلی مطلوب ہے، اور اگر دشمن ہیں تو رنج کریں گے اور دل گرفتہ ہوں گے، اور ہر شخص کی یہی مراد ہوتی ہے کہ دشمن کو رنج پہنچے۔

نیز شاید وہ کوئی عیب ڈھونڈیں اور خلل کی بات بتائیں اور اس کے علم ہونے پر اس خلل کا تدارک کیا جاسکے اور اس کے نقص کو دور کیا جائے۔

ایک فقیر نے کہا: اس محل میں دو نقص ہیں، ایک یہ کہ: آپ اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے اور دوسرا یہ کہ: یہ محل ہمیشہ نہ رہے گا۔ خلیفہ اس کلام سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ محل فقرا و غربا کے لیے وقف کر دیا۔

عبرت

سلطان قطب الدین خوادم شاہ اپنے گھوڑے پر سوار کہیں جا رہا تھا، ایک قبرستان سے گذرتے ہوئے اس نے کسی مجذوب کو دیکھا، بادشاہ نے باگ کھینچ لی اور پوچھا: فقیر! تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ فقیر نے بے نیازی سے جواب دیا کہ: میں قبرستان کے مردوں سے باتیں کر رہا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا: یہ کیا کہتے ہیں؟ فقیر نے جواب دیا: یہ کہتے ہیں کہ: کبھی ہم بھی اسی طرح ہاتھی گھوڑوں پر سوار ہو کر نکلا کرتے تھے، لیکن آج الٹا معاملہ ہے، آج زمین ہم پر مسلط ہے۔

میں ایمان کیوں لایا؟

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک بدو ایمان لایا، ایک غزوے میں اس بدو کو بھی آپ کے ساتھ شریک ہونے کا شرف ملا، جنگ کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم ہونے لگا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بدو کو بھی اس کے حصہ کا مالِ غنیمت دینے کے لیے بلایا، مگر بدو نے مالِ غنیمت لینے سے صاف انکار کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وجہ پوچھی تو بدو نے کہا کہ: یا رسول اللہ! کیا آپ جانتے نہیں کہ میں ایمان کیوں لایا تھا؟ میں ایمان اس لیے نہیں

لایا تھا کہ مالِ غنیمت سے اپنا حصہ حاصل کروں؛ بلکہ میں نے اسلام اس لیے قبول کیا تھا کہ راہِ حق میں میرے حلق میں تیر لگے اور میں شہید ہو کر جنت میں داخل ہو جاؤں۔ اتفاق کہ تھوڑی دیر بعد پھر معرکۂ کارزار گرم ہوا اور یہ بدّو لڑائی میں جا گھسا، ایک تیر اُس کے حلق کو چیرتا ہوا دوسری طرف نکل گیا اور آخر آپ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، صحابۂ کرامؓ اس شہید بدو کی لاش آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''خوب تم نے خدا کی بے لوث تصدیق کی تھی، اب خدا نے تیری تصدیق کر دی''۔

اللہ والوں کی مخالفت اور ایذا رسانی کا انجام

اللہ والوں سے بدگمانی کبھی نہ کرنا چاہیے اور نہ ان کے ساتھ تکلیف دہ معاملہ کرنا چاہیے، اللہ والوں کو تکلیف دینے والا آدمی بہت جلد مبتلائے قہر ہوتا ہے۔ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو بہ نیّتِ تفریحِ طبع بھی اگر کسی نے تکلیف پہونچا دی تو اس کے لیے بھی یہ خطرناک صورت ہے۔

ارشاد فرمایا کہ: ایک بار حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک بے ادب شخص حاضر ہوا اور اس نے آپ کے حلم اور بردباری کا امتحان کرنے کے لیے یہ سوال کیا کہ: آپ اپنی والدہ کا ۔ جو ایسی صورت کی ہیں ۔ میرے سے نکاح کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ: اچھا میں اندر جا کر والدہ سے پوچھ کر جواب دیتا ہوں، آپ اندر تشریف لے گئے، تو فوراً اللہ نے اس پر قہر نازل فرمایا، اور جب باہر آئے تو وہ شخص مرا ہوا پڑا تھا۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ہاتھی کو چھیڑنا؛ مگر ہاتھی کے بچے کو نہ چھیڑنا، کیوں کہ ہاتھی اپنی ذاتی تکلیف کو برداشت کرسکتا ہے؛ لیکن بچہ کی تکلیف برداشت

نہیں کر سکتا۔ اسی پر ایک واقعہ یاد آ گیا: ایک بارات نے جنگل کے قریب پڑاوُ ڈالا تھا، بارات والوں میں ایک شخص جنگل میں گیا، دیکھتا کیا ہے کہ ایک ہاتھی کا بچہ سو رہا ہے، بس! اس نے تلوار سے قتل کر دیا اور خود بارات والوں کے درمیان سو گیا، ہاتھی نے جب اپنے مرے ہوئے بچہ کی لاش دیکھی تو اس کا غضب جوش میں آ گیا، اور قاتل کی تلاش میں بارات والوں کے پاس پہونچا اور ہر شخص کے بدن کو سونگھتا ہوا مارنے والے کے پاس پہونچا، پھر اس قاتل کو سونگھ کر اس کی گردن میں سونڈ لپیٹ کر کھینچا اور اس کے بدن کو چیر کر پھینک دیا۔ اس حکایت سے یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ والے اہل اللہ ہیں، یہ اللہ کے اہل وعیال ہیں، اللہ کی ذات پاک اور حلیم ہے، لاکھوں کفر اور شرک کے باوجود ان کی رحمتِ عامّہ کفار اور مشرکین کو رزق پہونچاتی ہے؛ لیکن جب کوئی ان کے اولیا کو تکلیف پہونچاتا ہے تو اللہ کا غضب جوش میں آجاتا ہے اور اس کو فوراً رسوا کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے: ''مَنْ عَادٰی لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُہ بِالْحَرْبِ'' جو میرے کسی ولی سے عداوت ودشمنی رکھے میں اس کے ساتھ اعلانِ جنگ کرتا ہوں۔

حضرت عارف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بے ادب تنہا خود کو برباد نہیں کرتے؛ بلکہ سارے عالَم میں تباہی کی آگ لگا دیتا ہے، ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں: کیوں کہ بے ادب لطفِ رب سے محروم ہو گیا۔ (معرفتِ الٰہیہ: ۱۵۲-۱۵۳)

تم پاگل ہو؟

ایک بار عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں گئے، مسجد میں ایک شخص سو رہا تھا، اندھیرے میں اسے ٹھوکر لگ گئی، وہ جھلا کر بولا: ''تم پاگل ہو''؟، آپ رحمۃ اللہ علیہ بولے:

''نہیں''، آپ کے ساتھ محافظ بھی تھا، اس نے چاہا کہ اس شخص کو سزا دے، لیکن آپ نے اس کو منع فرمایا اور سمجھایا کہ: بھائی! اس نے مجھ سے پوچھا کہ: تم پاگل ہو؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں، بات ختم ہوگئی، اس میں جھگڑے کی کیا ضرورت ہے۔

طلبہ اور مدرّسین کے لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

طلبہ کو چاہیے کہ جب مدارس سے فارغ ہوں تو کم از کم چھ ماہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ پڑیں؛ تاکہ جو کچھ مدرسہ میں حاصل کیا ہے اس پر عمل کی ہمت اور قوت قلب میں پیدا ہوجاوے۔ دین فقط کتابوں کے نقوش کا نام نہیں ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ: کیا وجہ ہے کہ مدارس کے طلبہ اس زمانہ میں عملی کوتاہیوں میں مبتلا ہیں؟ تو حضرت نے بہت عمدہ جواب دیا، فرمایا کہ: ''دین مجموعہ ہے دو چیز کا: ایک علمِ نبوت، دوسرا نورِ نبوت۔ چوں کہ طلبہ علمِ نبوت تو حاصل کرتے ہیں؛ مگر اللہ والوں سے نورِ نبوت حاصل نہیں کرتے، اس لیے علم پر قوتِ عملیہ سے محروم رہتے ہیں''۔

حق تعالیٰ نے میرے قلب میں اس کی تائید میں قرآن پاک کی ایک آیت ڈالی ہے جس سے اس مضمون کی تائید اور تفصیل ہوجاتی ہے، حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قد جاءكم من الله نور وكتاب منير﴾ ''اے لوگو! تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا ہے اور کتابِ مبین نازل ہوئی ہے''۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ: یہاں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضراتِ صحابہ نے کتاب کی بھی تعلیم حاصل کی یعنی علمِ نبوت بھی حاصل کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ

مبارکہ سے انوارِنبوت کو بھی اپنے سینوں میں منتقل کیا،علمِ نبوت کے نقوش تو کتابوں سے لیے جاسکتے ہیں؛لیکن انوارِنبوت کا محل کاغذ نہیں بن سکتا،نور کا محل تو مؤمن کا قلب ہی ہوسکتا ہے، پس علومِ نبوت تو کتابوں سے کتابوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں اور انوارِ نبوت سینوں سے سینوں میں منتقل ہوتے آرہے ہیں،اسی کو حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جوآگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت		ایک خانہ بخانہ ہے ایک سینہ بسینہ ہے

(معرفتِ الٰہیہ: ۲۸۲-۲۸۴)

ایک اللہ والے کی توجہ اور ایمان کی سلامتی

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی استعدادِ علمی کے زور سے ایک سوساٹھ دلائل خدا کی وحدانیت میں پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کی صحبت نے کیا اثر دِکھایا،! لکھا ہے کہ ایک دن حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ وضو کر رہے تھے اور ایک مرید پانی ڈال رہا تھا، مرید برابر پانی ڈالتا رہا اور آپ کچھ بے خیال سے ہوگئے؛ حتی کہ ہاتھ دھونے میں تین لوٹے پانی ختم ہوگیا، اثنائے وضو ایک چلو پانی مغرب کی طرف پھینکا اور فرمایا کہ: کیوں نہیں کہتے کہ: ہم بغیر دلیل کے خدا کو ایک مانتے ہیں؛ کیوں کہ خدا بدیہیات میں سے ہے اور بدیہی کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ یہ دیکھ کر مرید اور بھی تعجب میں پڑا۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو مرید نے عرض کیا کہ: حضور! آج کیا بات تھی؟ آپ نے صرف ہاتھ دھونے میں تین لوٹے پانی خرچ کیا؛ حالاں کہ روزانہ ایک لوٹے سے پورا وضو فرماتے تھے اور مغرب کی

طرف کچھ اشارہ کرکے پانی پھینکا اور کچھ زبان مبارک سے بھی ارشاد فرمایا؟ آپ نے فرمایا: دراصل بات یہ تھی کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کو حالتِ نزع میں شیطان نے آکر سوال کیا کہ: خدا کی وحدانیت کی کیا دلیل ہے؟ امام فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ نے جو خدا کی وحدانیت ایک سو ساٹھ دلیلوں سے ثابت کی تھی ان میں سے ایک دلیل بیان کی تو شیطان نے توڑ دی، پھر دوسری دلیل بیان کی تو اس نے یہ بھی توڑ دی، یہاں تک کہ توڑتے توڑتے ایک سو ساٹھ دلیلوں میں صرف ایک دلیل باقی تھی، قریب تھا کہ کافر ہوکر مر جائے، ان کی یہ حالت دیکھ کر میں نے ایک چلو پانی پھینکا، تو اس کے سینے پر جا پڑا، اور میں نے یہ کہا کہ: بے دلیل خدا کو واحد کیوں نہیں کہتے؟ تو میری بات کو سن کو فوراً کہنے لگا کہ: بے دلیل خدا کو ہم واحد مانتے ہیں، یہ کہتے ہی شیطان بھاگا، اور ان کا ایمان پر خاتمہ ہوا اور جنت میں داخل ہوئے۔ مجھے یوں خیال آتا ہے کہ فقط ایک روز کے لیے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ہماتے یہاں آئے تھے۔

اولیا کی ایک دن کی صحبت سو سال کی تقویٰ کے ساتھ کی ہوئی اطاعت سے بہتر ہے۔ اولیا کو وہ قدرت خدا نے دی ہے کہ تیر جو کمان سے نکل گیا ہو اس کو بھی روک لیں، اگرچہ صورت میں ہماری طرح ہیں؛ مگر ہم میں اور ان میں بہت بڑا فرق ہے، جیسے: ''شیر'' جو معنیٰ میں درندے کے ہے اور ''شِیر'' جو معنیٰ میں دودھ کے ہیں تحریر میں دونوں ایک ہیں؛ مگر معنیٰ میں بہت بڑا فرق ہے۔ (وعظِ بے نظیر: ۹۶-۹۷)

جو شخص شیخ کے قلب کی حفاظت نہیں کرتا

ایک واقعہ لکھا ہے کہ: ایک مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے

یہاں تنوّر میں ایک مرغ بھوننے کے لیے رکھ گئے تھے، شیخ کی زیارت کے بعد واپسی کا ارادہ کیا تو شیخ کی خواہش ہوئی کہ ابھی رُک جائیں؛ مگر وہ کوئی ضرورت بتلا کر چلے ہی آئے، اور وہ بھونا ہوا مرغ تنوّر سے باہر نکال کر رکھ دیا، ایک کتّا آیا اور لے گیا۔ اچانک جب دوبارہ پیر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے فرمایا کہ: جو شخص شیخ کے قلب کی حفاظت نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ کے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دیا جاتا ہے۔ (اکابر کا سلوک واحسان:۱۰۱)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا اُگالدان پی جانا

اعلیٰ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ مجلس میں پانی نہیں نوش فرمایا کرتے تھے؛ لیکن اُگالدان رہتا تھا، کبھی کھانسی وغیرہ میں بلغم آجاتا تو اگل دیتے اور وہ سوکھ بھی جاتا تھا، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ اس اُگالدان کو بہت چپ کے سے کہ کوئی دیکھ نہ لے اٹھایا اور باہر لے جا کر اس کو دھو کر پی لیا۔ (اکابر کا سلوک واحسان:۹۱)

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے شیخ سے محبت

ایک مرتبہ فرمایا کہ: حضرت کولٹا کر بدن دباتا تو دیر کے بعد حضرت فرمادیتے کہ: جاؤ! مولوی صاحب آرام کرو، میں کِواڑ بند کر کے اپنی جگہ آجاتا، پھر خیال آتا کہ کوئی مکھی منہ پر بیٹھ کر نہ ستاتی ہو، پھر دبے پاؤں آکر دیکھتا، اسی طرح آتا جاتا رہتا؛ یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہوجاتا۔ فرمایا کہ: کبھی حضرت کی خدمت میں بے وضو حاضر نہیں ہوا، اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ حضرت اکثر شفقت ومحبت کا برتاؤ فرماتے، میں کبھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا کہ: میں تو اپنی اصلاح کے لیے آیا ہوں اور حضرت کی شفقتیں ایسی ہیں کہ

جن سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں میں نااہل نہ سمجھا جارہا ہوں اور مجھے ناکارہ سمجھ کر یہ معاملہ نہ کیا جارہا ہو۔

ایک تاریخی واقعہ

اندلُس کو عیسائیوں نے فتح کیا اور اس پر ان کا قبضہ ہوا تو انہوں نے وہاں بہت سی قبریں دیکھیں، جن پر کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہوا تھا: چھ مہینے، کسی کی عمر کے بارے میں لکھا ہوا تھا: ایک سال، اور کسی کے بارے میں: تین مہینے، تو یہ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ ہیں تو اتنی بڑی بڑی اور لمبی قبریں اور لکھا ہوا ہے یہ؟ انہوں نے اس کے بارے میں وہاں کے لوگوں سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ تمام عمر انہوں نے لہو ولعب میں گزار دی اور اخیر میں تین مہینے اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں گزارے، تو ہمارے نزدیک زندہ وہ ہے جو اللہ کے ذکر کے ساتھ ہو، بڑی قبر والا اللہ کے ذکر سے غافل تھا، اخیر میں ایک سال ذکر کیا اس واسطے بتلایا گیا کہ وہ ایک سال زندہ رہا، اس سے معلوم ہوا کہ زندگی تو وہ زندگی ہے جس میں خدا کی یاد ہو۔ (ارشاداتِ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ: ۳۰-۳۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی کی ایک جھلک

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی دولت مند اور صدہا کنیزوں اور غلاموں کے مالک تھے، اس وجہ سے آپ کو عثمان ''غنی'' کہا جاتا ہے؛ مگر کبھی لباسِ فاخرہ نہیں پہنتے تھے: البتہ خطبہ پڑھتے وقت صرف چار پانچ درہم کی قیمت کا لباس ہوتا تھا۔ تہجد کی پابندی کے باوجود کسی کنیز یا غلام کو بیدار نہ فرماتے؛ بلکہ تمام کام خود ہی انجام دیتے تھے، تمام تمام رات عبادت اور کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رہتے، اور جمعہ کے دن ہمیشہ روزہ

رکھتے تھے، کسی نے عرض کیا کہ: حضرت آپ تو حافظ ہیں، قرآنِ پاک دیکھ کر کیوں پڑھتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ: یہ ایک شہنشاہی فرمان ہے؛ اس لیے میں اوامر ونواہی کو دیکھتا رہتا ہوں؛ تاکہ آنکھیں، زبان اور جان سب ہی اس کی لذّت سے فائدہ اٹھا سکیں، بغیر دیکھے قرآن پڑھنے سے آنکھیں اس حقّانی دولت سے محروم رہ جاتی ہیں۔ چناں چہ منقول ہے کہ آپ کی شہادت کے بعد زمین وآسمان آپ کی جدائی میں آہ وبُکا کر رہے تھے۔ (حکایات الصالحین)

شاہِ کسریٰ کا انصاف

نوشیروان یعنی شاہِ کسریٰ کا عدل تو مشہور ہے، چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کسی شخص نے دوسرے سے کوئی مکان خریدا اتفاق سے خریدار کو اس مکان میں خزانہ دستیاب ہوگیا تو اس نے بائع کو (یعنی بیچنے والے کو) اس کی اطلاع دی کہ آپ کے مکان میں مجھے خزانہ ملا ہے، یہ سن کر بائع نے جواب دیا کہ: میں نے جب آپ کو یہ مکان فروخت کیا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ اس میں خزانہ ہے، اگر تھا بھی تو مکان خرید لینے کے بعد وہ آپ کا حق ہے؛ کیوں کہ اب آپ مکان کے مالک ہیں، اس پر مشتری کا اصرار بڑھتا رہا کہ میں نے تو مکان خریدا ہے؛ خزانہ نہیں خریدا، یہ تو آپ ہی کا حق ہے آپ کو لینا پڑے گا، نوبت بایں جا رسید یعنی نوبت یہاں تک پہونچی کہ دونوں کا نزاع (جھگڑا) بڑھتے بڑھتے مقدمہ کسریٰ کی عدالت میں پہنچا۔ کسریٰ نے طرفین کے بیانات سن کر کچھ دیر سر جھکایا اور کچھ سوچ کر دریافت کیا کہ تم دونوں کے کوئی اولاد ہے؟ اس پر بائع نے عرض کیا کہ: ہاں! میرا ایک جوان لڑکا ہے اور مشتری نے بتایا کہ: میری

ایک جوان لڑکی ہے۔ یہ حال معلوم کرنے کے بعد کسریٰ نے حکم دیا کہ: تم دونوں آپس میں لڑکے اور لڑکی کی شادی کر کے ان دونوں کی ضروریات میں اس خزانہ کو لگا دو، تا کہ تم دونوں میں رشتہ وقرابت کے ساتھ یہ خزانہ تمہاری اولاد کے کام آ سکے اور تمہارا وقتی نزاع ختم ہو جائے۔ یہ حکمِ شاہی پا کر دونوں نے اس کی تعمیل کی اور عدلِ نوشیروان کی بدولت نزاعِ باہمی ختم ہو گیا۔

صحبتِ نیک

(۱) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو لوگ دین کے پکے اور سچے ہیں ان کے ساتھ رہو۔

(۲) ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے: اے مخاطب! جب تو ان لوگوں کو دیکھے جو ہماری آیات اور احکام میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں کے پاس بیٹھنے سے کنارہ کش ہو جا، یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں، اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دے یعنی ایسی مجلس میں بیٹھنے کی ممانعت یاد نہ رہے تو جب یاد آ جاوے یاد آ جانے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے پاس مت بیٹھو فوراً اُٹھ کھڑا ہو۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم جن لوگوں کے پاس بیٹھتے ہیں ان میں سب سے اچھا کون شخص ہے کہ اس کے پاس بیٹھا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایسا شخص پاس بیٹھنے کے لیے سب سے اچھا ہے جس کا دیکھنا تم کو اللہ کی یاد دلائے اور اس کا بولنا تمہارے علمِ دین میں ترقی دے اور اس کا علم تم کو آخرت کی یاد دلائے۔

(۴) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا: بیٹا! تو علما کے پاس بیٹھنے کو اپنے ذمّے لازم پکڑنا اور اہلِ حکمت کی باتوں کو سنتے رہنا؛ کیوں کہ اللہ تعالیٰ مردہ دل کو نورِ حکمت سے اس طرح زندہ کردیتے ہیں جیسے مردہ زمین کو موسلا دھار پانی سے زندہ کردیتے ہیں۔

(۵) حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا ارشاد ہے کہ تیری محبت ایسے لوگوں کے لیے واجب ہوگئی جو میرے ہی علاقہ سے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور میرے ہی علاقہ سے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں۔

(٦) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نیک ہمنشیں اور بد ہمنشیں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص مشک لیے ہوئے ہو، یہ نیک صحبت کی مثال ہے، اور ایک شخص بھٹّی دھونک رہا ہو، یہ مثال ہے بدصحبت کی۔ سو مشک والا یا تو تجھ کو مشک دے دے گا یا اگر نہ بھی دیا تو اس سے تجھ کو خوشبو ہی پہونچ جائے گی اور بھٹی کا دھونکنے والا یا تو تیرے کپڑوں کو جلا دے گا اگر کوئی چنگاری آپڑی یا اگر اس سے بچ بھی گیا تو اس کی گندی بو ہی تجھ کو پہونچ جائے گی۔ یعنی نیک صحبت سے اگر کامل نفع نہ ہو تب بھی کچھ تو ضرور ہوجائے گا اور بدصحبت سے اگر کامل ضرر نہ ہوا تب بھی کچھ تو ضرور ہوجائے گا۔

(۷) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ: کسی کی صحبت اختیار نہ کرو بجز ایمان والے کے۔ اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں: ایک یہ کہ کافر کی صحبت میں مت بیٹھو۔ دوسرے یہ کہ جس کا ایمان کامل نہ ہو اس کے پاس مت بیٹھو، پس قابلِ صحبت وہ ہے جو مؤمن ہو اور دین کا پورا پابند ہو۔

(۸) حضرت ابورزین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم کو ایسی باتیں نہ بتلاؤں جو اس دین کا بڑا مدار ہے جس سے تم دنیا وآخرت کی بھلائی حاصل کرسکتے ہو؟ ایک تو اہلِ ذکر کی مجالس کو مضبوطی سے پکڑلو، اور دوسرے جب تنہا ہوا کرو، تو جہاں تک ممکن ہو ذکر اللہ کے ساتھ زبان کو متحرک رکھو، اور تیسرے اللہ ہی کے لیے محبت رکھو اور اللہ ہی کے لیے بُغض رکھو الخ۔ یہ بات تجربے سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ صحبتِ نیک جڑ ہے تمام دین کی، دین کی حقیقت، دین کی حلاوت اور دین کی قوت کے جتنے ذریعے ہیں سب سے بڑھا ہوا ذریعہ صحبتِ نیک ہے۔

(۹) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جنت میں یاقوت کے ستون ہیں، ان پر زبرجد کے بالاخانے قائم ہیں، ان میں کھلے دروازے ہیں جو تیز چمکدار ستارہ کی طرح چمکتے ہیں۔ لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ان بالاخانوں میں کون رہے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ اللہ کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور جو اللہ کے لیے آپس میں ملاقات کرتے ہیں۔

(۱۰) حضرت سمُرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مشرکین کے ساتھ نہ سکونت کرو، نہ ان کے ساتھ یکجائی کرو یعنی ان کی مجلس میں مت بیٹھو، جو شخص ان کے ساتھ سکونت کرے گا وہ ان ہی میں سے ہے۔ (اصلاحی نصاب:۷۶-۷۹)

صلحا کی صحبت

ذکر وفکر اور فرائض ونوافل سے فارغ ہو کر علما وصلحا کی صحبت میسر ہو تو اس کو غنیمت

سمجھو، بشرطیکہ علما دنیا داروں سے اوران کی صحبت سے باز رہنے والے ہوں، اگر علما اور صلحا کی صحبت میسر نہ ہوتو تنہا بیٹھنا یا سو رہنا بہتر ہے۔ ”العزلة خير من الجليس السوء“، یعنی گوشہ نشینی بُرے ہمنشین سے بہتر ہے۔ ”والجليس الصالح خير من العُزلة“ اور نیک ہمنشیں گوشہ نشینی سے اچھا ہے۔ جاہلوں اور فاسقوں اوران لوگوں کی صحبت اور ہم نشینی جو دنیا میں مستغرق رہتے ہیں کارخانۂ باطن کوخراب کر دیتی ہے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اولیا کی صحبت میں تمہارا تھوڑی دیر بیٹھنا سو سال تقوے میں گزارنے سے بہتر ہے۔

حضرت خواجہ احرار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نماز اگر رہ جائے تو اس کی قضا کی جاسکتی ہے؛ لیکن ہماری صحبت کی نماز ایسی ہے کہ اس کی قضا نہیں ہوسکتی۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: بُرے لوگوں کی صحبت سے دور رہو؛ کیوں کہ بُرا دوست سانپ سے بھی بدتر ہے، سانپ تو جان کو نقصان پہونچاتا ہے؛ مگر بُرا دوست جان کے ساتھ ایمان کو بھی تباہ کر دیتا ہے۔ (ماخوذ من وصیۃ السالکین: ۲۱-۲۳)

ہم مجلسوں کی صورتیں

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: جب آدمی مرنے کے قریب ہوتا ہے اس وقت اس کے ہم مجلسوں کی صورتیں اس کے سامنے کی جاتی ہیں؛ اگر اس کا اٹھنا بیٹھنا نیک لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو یہ مجمع سامنے لایا جاتا ہے، اور فاسق وفاجر لوگوں کے پاس ہوتا ہے تو وہ لوگ سامنے لائے جاتے ہیں۔ حضرت یزید بن شجرہ صحابی رضی اللہ عنہ سے بھی یہی بات نقل کی گئی ہے۔ (فضائلِ اعمال: ۲/ ۷۱۴)

شیخ کی توجہ کا اثر

ایک بزرگ سے ان کے مرید نے اپنی محبت کا اظہار کیا، تو شیخ نے فرمایا: تمھیں کیا محبت ہوتی! ہم کو ہی تم سے محبت ہے، اگر ہم اپنی توجہ ہٹالیں تو تم کبھی ہمارے پاس نہیں آسکتے ہو، چناں چہ مرید کی تنبیہ کے لیے انھوں نے ایک بار توجہ ہٹالی، کئی مہینے تک پاس آنے کی توفیق ہوسکی، حالاں کہ تھا اسی شہر میں، پھر توجہ کی تو آموجود ہوا، فرمایا: دیکھا بھائی یہ ہے تمہاری محبت کی حقیقت۔ (التبلیغ:۵، اوج قنوج:۶۹)

اولیاء اللہ سے محبت وعقیدت

حدیث: بندوں میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو بندوں میں اللہ کی محبت پیدا ہونے کا اور بندوں کو عند اللہ محبوب ہونے کا ذریعہ بنے۔ اور یہ چیز اولیاء اللہ کی محبت وعقیدت سے متعلق ہے کہ اولیاء اللہ کے وجود کی عمومی برکت اور ان کی صحبت کا عمومی فائدہ حاصل کرنے کے لیے ان سے تعلق رکھے، تو ان کے کمالات کا اظہار اور تعارف کی ضرورت نہیں، اگر اولیا سے اعراض اور مخالفت نہ ہو تو حسبِ استعداد سب تعلق والوں کو نفع ہوتا ہے؛ حتی کہ حیوانات وجمادات تک میں ان کے مبارک اثرات آجاتے ہیں۔

حکایت: ایک دفعہ بصرہ میں سخت خشک سالی پھیلی، لوگ نماز ودعا اور گریہ وزاری کے لیے میدان میں جانکلے، ہزار چیختے چلاتے ہیں؛ مگر فریاد سنی نہیں جاتی، آسمان پر بدلی کا نام نہیں۔ اتفاق سے کوئی شخص وہاں سے گذر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ ہزاروں آدمی جمع ہیں، دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہیں، آنسو برس

رہے ہیں؛ لیکن آسمانوں سے پانی نہیں برستا، تو اس نے کہا: اے اللہ! بطفیل اس بھید کے جو میرے آنکھ میں ہے پانی برسا، اتنا کہنا تھا کہ جھوم کے بدلی آئی اور ٹوٹ کے پانی برسنے لگا۔ اس جماعت میں سے ایک شخص جو سب کچھ دیکھ اور سن رہا تھا دوڑتا ہوا اس کے پیچھے بھاگا، یہاں تک کہ ایک مقام پر پہونچ کر اس سے بات کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے کہا: اے شیخِ عصر! ہماری ایک عرض ہے، وہ بولا: فرمایئے، اس نے التماس کی کہ؛ کون سا عمل حضورِ والا کی چشمِ مبارک میں پنہاں ہے جس کو شفیع بنانے سے فوراً پانی برسا؟ اس نے کہا: اے بھائی! ہم نہ ولی، نہ پیر، نہ فقیر ہیں، جیسے عوام الناس ہیں ویسے ہی ایک بندۂ گنہگار ہم بھی ہیں، صرف اتنی سی بات ہے کہ ان آنکھوں نے حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کو بایزید سمجھ کر دیکھا ہے، یہ دیکھنا جو رنگ نہ لائے، یہ دیکھنا جو کمال ظاہر نہ کرے تو تعجب ہے!! مقصد یہ کہ اولیاء اللہ کی محبت وعقیدت ساری ترقیات کی کلید (چابی) ہے۔ (محبوب العارفین: ۶۔۷)

نیکوں کی صحبت

ایک صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: قیامت کب آئے گی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نے قیامت کی کیا تیاری کی ہے؟ عرض کیا: روزہ، نماز تو زیادہ نہیں؛ البتہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت ضرور دل میں رکھتا ہوں، ارشادِ نبوی ہوا: مبارک ہو، مبارک ہو، تم قیامت میں ان ہی کے ساتھ ہوگے جن سے محبت رکھتے ہو۔ اس حدیث کے راوی حضرت انس و مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں نے کسی کو اتنا خوش ہوتے ہوئے نہیں دیکھا جتنا یہ سائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن کر خوش ہوا۔

أحِب الصَّالِحِيْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ		لَعَلَّ اللّٰهَ يَرْزُقُنِيْ صَلَاحًا

میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں، اگرچہ ان میں سے نہیں ہوں، ہوسکتا ہے اللہ مجھے نیک بنادے۔ (روضۃ الصالحین ۳/۴۲)

ذکر میں کیفیت کا انتظار نہ چاہیے

ایک صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ: حضرت اللہ اللہ تو کرتا ہوں؛ لیکن کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہ کیا کم دولت ہے کہ تم اللہ کا نام لیتے ہو، یہ توفیق معمولی نعمت ہے؟ جب پہلا اللہ کہنا قبول ہوجاتا ہے تب دوسری بار اللہ کا نام منہ سے نکلتا ہے، اگر قبول نہ ہوتا دوسری بار نام لینے کی توفیق سَلْب فرمالیتے۔

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: تیرا اللہ کہنے کے بعد پھر اللہ کہنا یہی خدا کی طرف سے لبیک ہے۔

حکایت: ایک بار ذاکر بندے سے ابلیس نے کہا کہ: تو اللہ اللہ پکارتا ہے؛ مگر اللہ کی طرف سے کوئی جواب نہیں آتا پھر تو کیوں سَر دُھنتا ہے؟ یہ بے چارہ بہت ملولِ خاطر ہوا۔ خواب میں حضرت خِضر علیہ السلام کی زیارت ہوئی، اس بے چارے نے اپنا ماجرا عرض کیا کہ: ادھر سے کوئی جواب نہیں آتا، مجھے خوف ہے کہ میرے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا دروازہ بند کرلیا ہے تو حضرت خِضر علیہ السلام نے فرمایا: تیرا اللہ کہنے کے بعد اللہ کہنا یہی خدا کی طرف سے لبیک ہے۔ (معرفتِ الٰہیہ: ۳۲۵-۳۲۶)

نماز

(۱) نماز پابندی سے ادا کرنے والے کو قیامت کے دن کوئی خوف نہ ہوگا۔

(۲) خلوصِ دل سے نماز ادا کرنے والا کبھی غمگین نہ ہوگا۔

(۳) نماز اپنے پڑھنے والے کے چہرے کی رونق ہے۔

(۴) جو شخص خلوصِ قلب کے ساتھ نماز ادا کرے گا مرنے کے بعد قبر میں نماز اس کی انیس ورفیق بن کر اس کے پاس آئے گی۔

(۵) پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنے واے کے دل کو اللہ جل شانہ نور سے بھر دیتا ہے۔

(٦) کاہلی اور سستی نماز پڑھنے والے کے قریب بھی نہیں آتی۔

(۷) نماز پڑھنے والے کا دل غنی رہتا ہے وہ ہر غم سے دور رہتا ہے۔

(۸) جو شخص سچی لگن اور پورے عقیدے کے ساتھ پنج وقتہ نماز ادا کرتا ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی روزی کے دروازے کھول دیتا ہے۔

(۹) نماز مؤمنوں کے لیے دل کا سکون اور آنکھوں کا نور ہے۔

(۱۰) نماز میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی بیماریوں کی شفا رکھی ہے، لہٰذا نماز کو پابندی سے ادا کرنے والا بہت سی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

(۱۱) نماز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین چیز ہے۔

(۱۲) نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھوں کی ٹھنڈک بتایا ہے۔

(۱۳) نماز آسمان کی کنجی ہے۔

غرور

(۱) غرور جہنم کی بنیاد ہے۔

(۲) اکثر غلطیوں کی تہہ میں غرور ہوتا ہے۔

(۳) جو ہوش میں ہوتا ہے وہ کبھی بھی غرور نہیں کرتا۔

(۴) مغرور شخص ہمیشہ شکّی ہوتا ہے۔

(۵) غصہ تھوڑی دیر کی اور غرور ہمیشہ کی دیوانگی ہے۔

صبر

صبر کو ''صبر'' اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں بھی دل کو گریہ وزاری سے، اور زبان کو شکوہ سے اور روح کو بے قراری سے روک لینے کی ایک خاص طاقت ہوتی ہے۔

اخلاق

اخلاق کی تین قسمیں ہیں: (۱) اخلاقِ حسنہ (۲) اخلاقِ کریمہ (۳) اخلاقِ عظیمہ۔

(۱) اخلاقِ حسنہ: یعنی جو جیسا کرے ویسا اس کے ساتھ کرنا، زیادتی نہ کرنا۔

(۲) اخلاقِ کریمہ: اگر کوئی ہمارے ساتھ برا سلوک کرے تو اسے معاف کرنا۔

(۳) اخلاقِ عظیمہ: اگر کوئی ہمارے ساتھ برائی کرے تو اس پر احسان کرنا۔

غصہ

(۱) غصہ کو پی جانے والے اور معاف کرنے والے اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ (قرآن)

(۲) غصہ ایمان کو اس طرح خراب کردیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب کردیتا ہے۔ (حدیث)

(۳) غصہ ایک طرح کا جنون ہوتا ہے؛ کیوں کہ غصہ کرنے کے بعد انسان اپنے کیے ہوئے پر ضرور نادم ہوتا ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

(۴) غصہ کو پی جانے سے معاف کردینا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ جو شخص غصہ پی جائے اور معاف نہ کرے تو عین ممکن ہے کہ اس کے دل میں کینہ پیدا ہوجائے جو دل کی بہت بڑی بیماری ہے۔

(۵) سمجھداری کی بات یہ ہے کہ غصہ کی حالت میں کسی قسم کا فیصلہ نہ کیا جائے۔

زبان

زبان خیالات کا لباس ہے۔

زبان کی لغزش پاؤں کی لغزش سے زیادہ سخت ہے۔

زبان درست ہو تو دل بھی درست ہوتا ہے۔

زبان کا قلم استعمال کرنے سے پہلے دل کی سیاہی میں ڈبولینا چاہیے۔

زبان کی وجہ سے اکثر آفتیں آتی ہیں۔

کسی کے جذبات کو زخمی نہ کرو؛ کیوں کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے؛ مگر زبان کا زخم نہیں بھرتا۔

تلوار کی ضرب جسم پر لگتی ہے؛ مگر زبان کی دل پر۔

میٹھی زبان سے دشمن بھی دوست ہوتا ہے۔

امن چاہیے تو زبان بند رکھو۔

جو اپنی زبان پر قابو نہ رکھے گا وہ رسوا ہوگا۔

زبان کی پارسائی خاموشی ہے۔

پرندے اپنے پروں کی وجہ سے جال میں پھنستے ہیں تو انسان اپنی زبان کی وجہ سے۔

لباس

دولت کا لباس تجارت ہے۔

انسان کا لباس علم ہے۔

جسم کا لباس تندرستی ہے۔

علم کا لباس عمل ہے۔

نوکر کا لباس وفا ہے۔

زندگی کا لباس آزادی ہے۔

دوست کا لباس وقت پر کام آنا ہے۔

عورت کا لباس حیا ہے۔

درویش کا لباس قناعت ہے۔

بزرگوں کے اقوال

(۱) اگر آنکھیں روشن ہیں تو روز روزِ محشر ہے۔ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)

(۲) معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔ (حضرت علی رضی اللہ عنہ)

(۳) بدگمانی تمام فائدوں کو بند کر دیتی ہے۔ (غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ)

(۴) شکایت کا ترک کر دینا ہی صبر ہے۔ (امام جعفر رحمۃ اللہ علیہ)

(۵) ذکر دل سے فکر وغم دور کرتا ہے۔ (حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ)

(۶) عقل کی حد ہو سکتی ہے؛ بے عقلی کی نہیں۔

نیک بیوی

(۱) نیک بیوی وہ ہے جو زندگی بھر اپنے شوہر کی وفادار رہے۔

(۲) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کی عدمِ موجودگی میں اس کی امانت میں خیانت نہ کرے۔

(۳) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کے علاوہ کسی غیر مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

(۴) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کی اطاعت گزار اور فرماں بردار رہے۔

(۵) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کی کسی سے بھی برائی یا غیبت نہ کرے۔

(۶) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔

(۷) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر سے ایسی کسی چیز کی فرمائش نہ کرے جو اس کی استطاعت سے باہر ہو۔

(۸) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کے ہر درد والم میں اس کی دل جوئی کرے اور اس کی غم خواری کرے۔

(۹) نیک بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کا راز کسی پر ظاہر نہ کرے۔

تکبر اور شرم

طالبِ علم کے محرومی کی وجہ تکبر اور شرم ہے۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طالبِ علم صرف دو وجہوں سے محروم رہتا ہے: یا تکبر کی وجہ سے یا شرم کی وجہ سے؛ کیوں کہ دین میں تکبر یا شرم کا کام نہیں؛ نہ حق بات کہنے میں، نہ اس کے بتلانے میں، نہ معلوم کرنے میں۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: ''نِعْمَ النِّسَاء نِسَاء الأَنْصَار لَمْ يَمْنَعْهنَّ الْحَيَاء أَنْ يَتفَقهن فِي الدِّيْنِ'' یعنی انصار کی عورتیں بہت اچھی عورتیں ہیں کہ ان کو مسائل دین کے دریافت کرنے میں حیا و شرم نہیں ہوتی۔ (انفاسِ عیسیٰ)

عہد

جنگِ قادسیہ سے پہلے ایک لڑائی میں ایران کا ایک سردار جاپانی گرفتار کیا گیا، اس نے کسی مسلمان کو دھوکہ دے کر امان حاصل کر لی۔ لوگوں نے اسے پہچان لیا کہ وہ کون ہے، لوگ اسے سپہ سالارِ اسلام حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس لائے اور کہا کہ: ''یہ ایرانیوں کا سردار ہے، اسے قتل کرنا ضروری ہے''۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: جب ایک مسلمان اسے امان دے چکا ہے، تو میں اسے سزا نہیں دے سکتا، مسلمان ایک جسم کی طرح ہے جو عہد ایک مسلمان نے کیا سب پر اس کا نباہنا لازم ہے۔

فرقِ حرام وحلال

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد میں جاتے ہوئے اپنا گھوڑا ایک شخص کی نگرانی میں چھوڑ گئے، نماز پڑھ کر واپس آئے تو گھوڑے کی زین اور نگراں دونوں کو غائب پایا۔

آپ بازار کی طرف چل دیے، ایک کباڑی کی دکان پر آپ کو اپنے گھوڑے کی زین نظر آئی، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ کوئی شخص اسے دو درہم میں فروخت کر گیا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا: افسوس! میں نے دل میں فیصلہ کر رکھا تھا کہ اس شخص کو نگرانی کی اجرت دو درہم دوں گا، مگر اس نے جلدی کی، جو رقم اسے حلال طریقے سے ملنے والی تھی وہ اس نے حرام طریقے سے کمائی اور چوری کا وبال الگ مول لیا۔

دلِ زندہ

خواجہ شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: انسان کی اصل صلاحیت کا دارومدار دل پر ہے، دل دنیا کے کاموں میں کھو جانے سے مر جاتا ہے، اس کو زندگی ملتی ہے تو صرف خدا کے ذکر سے۔

دنیا کی لذتیں اس کی خواہشات انسان کے دل کو سیاہ کر دیتی ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ جس زمین پر کنکر پتھر وغیرہ ہوتے ہیں وہ بیج قبول نہیں کرتی، چناں چہ کہا جاتا ہے کہ یہ زمین بیکار ہے، یہی کیفیت دل کی ہے۔

احتیاط

ایک شخص امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مقروض تھا وہ جس محلہ میں رہتا تھا وہاں پر آپ کا ایک شاگرد فوت ہو گیا، آپ اس کی نمازِ جنازہ کے لیے تشریف لے گئے، سخت دھوپ تھی اور کوئی سایہ دار جگہ نہیں تھی، صرف اس مقروض کے مکان کا سایہ زمین پر پڑ رہا تھا، لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ: آپ اس دیوار کے سائے میں آ جائیے، آپ نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ: صاحبِ دیوار پر میرا کچھ قرض ہے؛ اس لیے اس کی دیوار سے فائدہ حاصل کرنا میرے لیے جائز نہیں، کیوں کہ اگر میں اس سے کچھ فائدہ

حاصل کروں تو وہ سود میں شمار ہوگا۔

اچھی باتیں

جس کے اخلاق اچھے ہیں اس کا ایمان کامل ہے۔

مجھ سے زیادہ مشابہ وہ ہے جو زیادہ خلیق ہے۔

بہت سے باعزت لوگ اپنی بداخلاقی کی وجہ سے ذلیل ہوتے ہیں اور بہت سے حقیر لوگ اپنی خوش اخلاقی کی وجہ سے باعزت بن جاتے ہیں۔

بڑا عیب یہ ہے کہ انسان دوسروں کے عیوب کو دیکھے اور اپنی خبر نہ لے۔

بولنے کے وقت چپ رہنا اور چپ رہنے کے وقت بولنا نادانی ہے۔

معاف کرنے میں جو عزت ہے وہ بدلہ لینے میں نہیں ہے۔

بلاضرورت بات چیت سے آدمی اپنا وقار کھو دیتا ہے۔

خوش حال آدمی وہی ہے جو ہر حال میں خوش رہے۔

کامیابی چاہتے ہو تو محنت اور مستقل مزاجی سے کام لو۔

علم بغیر عمل کے ایسا ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں چراغ۔

امیری دل سے ہے نہ کہ مال سے، بزرگی عقل سے ہے نہ کہ سال سے۔

اقوالِ زرّیں

کمان سے چھوٹا ہوا تیر اپنا راستہ خود بناتا ہے۔

کام کرنے سے تین برائیوں کا خاتمہ ہوتا ہے، بوریت، گناہ اور غربت۔

چار نیکیاں افضل ترین ہیں: (۱) غصہ کے وقت درگزر (۲) تنہائی میں پارسائی

(۳) تنگدستی میں سخاوت (۴) طاقت کے باوجود انکساری۔

سنہرے اقوال

خاموشی غصہ کا بہترین علاج ہے۔

جو لوگ تاریکیوں میں مسجد جانے والے ہیں انہیں قیامت میں نورِ تام کی خوشخبری ہے۔

جب نیکی تمہیں مسرت بخشے اور بدی تمہیں غم میں مبتلا کرے تب تم مومن ہو۔

جس چیز میں تم شک کرو اسے ترک کرو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی غیبت کی ہوگی اللہ تعالیٰ اس کو دس طرح کے عذابوں میں گرفتار کرے گا:

(۱) خدا کی رحمت سے دور ہوگا۔

(۲) اس سے فرشتے دور رہیں گے۔

(۳) جان مشکل سے نکلے گی۔

(۴) دوزخ سے نزدیک ہوجائے گا۔

(۵) جنت سے دور رہے گا۔

(۶) عذابِ قبر سخت ہوگا۔

(۷) عمل نابود ہوجائے گا۔

(۸) اس پر خدا کا غصہ ہوگا۔

(۹) قیامت کے دن اعمال تولے جانے پر مفلس رہے گا۔

(۱۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کو اس سے ایذا ہوگی۔

انمول موتی

(۱) بہشت کی حقدار وہ عورت ہے جس نے اپنے شوہر کا حقِ مہر معاف کر دیا ہو۔

(۲) برکت لالچی اور حریص انسان سے دور بھاگتی ہے۔

(۳) سچ بولنا بھی ایک عبادت ہے۔

(۴) اصولوں کی پابندی انسان کو ہمیشہ کامرانی سے ہمکنار رکھتی ہے۔

(۵) نفرت کو صرف محبت سے جیتا جا سکتا ہے۔

جواہر پارے

سچائی کی مشعل جہاں جلتی ہوئی نظر آئے اس کی روشنی سے فائدہ اٹھا، یہ نہ دیکھ کہ مشعل بردار کون ہے؟ (حکمائے عرب)

اپنی خوشی کو دوسروں کی خوشی پر مقدم سمجھنا اور دوسروں کے جذبات سے بالکل بے پرواہ ہو جانا خود غرضی کی مکمل تشریح ہے۔

دیوار کا ایک پتھر خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو اپنی قیمت رکھتا ہے۔

کوئی شیشہ انسان کی اتنی حقیقی تصویر نہیں پیش کر سکتا جتنی اس کی بات چیت۔

اگر زندگی کے باغ سے غم چن لیے جائیں تو وہ سراپا گلدستۂ مسرت بن جائے اور ایسی زندگی دوزخ سے بھی بدتر ہوگی۔

جو شخص ارادے کا پکا ہو وہ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتا ہے۔

نہ بولتے نہ رسوا ہوتے

دو چیزیں عقل کو رسوا کرتی ہیں: ایک بولنے کے وقت خاموشی اور دوسری خاموشی کے وقت بولنا۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے خاموشی کو بغیر محنت کے عبادت کہا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: زبان کی لغزش قدموں کی لغزش سے زیادہ مہلک ہے۔

کہتے ہیں کہ: کسی شہزادے نے خاموشی کے فوائد پڑھے اور نہ بولنے کی قسم کھالی، والدین نے، اطبا نے لاکھ جتن کیے؛ لیکن شہزادے کی زبان نہ کھل سکی۔

ایک دن شہزادہ شکار کو گیا، تلاشِ بسیار کے باوجود شکار نہ ملا، ایک درخت کی ٹہنی سے پرندے کے بولنے کی آواز سنائی دی، وزیر زادہ نے اندازے سے تیر چلایا اور پرندہ ہلاک ہوگیا۔

شہزادہ بے ساختہ بولا: ”نہ بولتے اور نہ مارے جاتے“۔

کہ پرندہ اپنے بولنے کی وجہ سے ہی مارا گیا۔

جینے کا ڈھنگ

بارش بن کر رہو جو ہر دوست و دشمن پر یکساں برستی ہے۔

ہوا بن کر رہو جو ہر ایک کو راحت و فرحت بخشتی ہے۔

سورج بن کر رہو جو امیر و غریب سب کو یکساں روشنی بخشتا ہے۔

چاند بن کر رہو جو ہر انسان کو یکساں ٹھنڈک دیتا ہے۔

پھول بن کر رہو جو ہر گلشن میں یکساں اپنی مہک دیتا ہے۔

جب تک زندہ رہو ہر ایک کو راحت پہنچاؤ؛ تاکہ لوگ تمہارے مرنے کے بعد تمہیں یاد کرکے آنسوؤں سے روئیں۔

اچھی باتیں

☆ دنیا کے لیے بس اتنی محنت کر جتنا کہ تجھے یہاں رہنا ہے۔

☆ آخرت کے لیے زیادہ سے زیادہ محنت کر کہ تجھے وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہے۔

☆ اور یہاں کا بویا ہوا بیج آخرت میں ہی کاٹنا ہے۔

☆ اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے اتنی کوشش کر جتنا تو اس کے لیے محتاج ہے۔

☆ گناہ اتنا کر جتنا تجھے اس کا عذاب سہنے کی طاقت ہے۔

☆ اپنی حاجت (روائی) کے لیے صرف اللہ سے مانگ کہ وہی ہر ایک کی حاجت کو پورا کرتا ہے۔

☆ جب تیرے دل میں اللہ کی نافرمانی کرنے کا شیطانی وسوسہ پیدا ہو تو ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے وہ نہ دیکھے۔

دانائی کی باتیں

کیا آپ کو دوسرے میں برائی اور عیب تلاش کرنے کی عادت ہے؟ تو آپ یہ بات نہ بھولیں دوسروں کی نظر بھی آپ پر ہے۔

انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے۔

عقلمند آدمی وہ ہے جو اپنی غلطیاں یاد رکھتا ہے، دوسروں کی بھول جاتا ہے۔

جھوٹ نہ بولو، جھوٹ بولنے سے انسان بے اعتبار ہو جاتا ہے۔
مبارک ہیں وہ لوگ جن کے پاس نصیحت کرنے کے لیے الفاظ نہیں نیک اعمال ہوتے ہیں۔

پانچ اندھیرے پانچ چراغ

(۱) دنیا کی محبت اندھیرا ہے، اس کا چراغ تقویٰ ہے۔
(۲) گناہ اندھیرا ہے، اس کا چراغ توبہ ہے۔
(۳) قبر اندھیرا ہے، اس کا چراغ کلمۂ شہادت ہے۔
(۴) ہجرت اندھیرا ہے، اس کا چراغ عملِ صالح ہے۔
(۵) پل صراط اندھیرا ہے، اس کا چراغ یقین ہے۔

قبول کرنا

دوست کا ہدیہ چاہے حقیر ہو قبول کرلو۔
غریب کی دعوت چاہے تکلیف ہو، قبول کرلو۔
نصیحت کی بات چاہے کڑوی ہو، قبول کرلو۔
ماں باپ استاد کا حکم چاہے ناگوار ہو، قبول کرلو۔
اپنی غلطی میں چاہے ذلت ہو، قبول کرلو۔

زندگی

زندگی حقیقت ہے اسے تسلیم کرو۔

زندگی حسن ہے اس سے پیار کرو۔

زندگی محبت ہے اسے سینہ سے لگاؤ۔

زندگی چیلنج ہے اس کا مقابلہ کرو۔

زندگی جدوجہد ہے اسے قبول کرو۔

زندگی قرض ہے اسے ادا کرو۔

زندگی کھیل ہے، اسے جیتو۔

زندگی سفر ہے اسے مکمل کرو۔

زندگی خوشی ہے اسے محسوس کرو۔

زندگی امتحان ہے اس پر کامیابی پاؤ۔

زندگی ایک بوجھ ہے اسے اٹھائے جاؤ۔

زندگی طوفان ہے، ساحل کو حاصل کرو۔

بکھرے موتی

اچھا ہم نشیں ایک انسان کے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔

سچائی اور ایمانداری دو ایسے مہک دار پھول ہیں جس میں کہیں بھی کانٹوں کا وجود نہیں۔

زندگی راحت وتکلیف، وصال وفراق، امید ویاس، کامیابی وناکامی کا نام ہے۔

محبت کرنی ہے تو یتیموں اور مسکینوں سے کرو، تا کہ دونوں جہاں میں تمہارے درجات بلند ہوں۔

انمول ہیرے

کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔
بہت زیادہ بولنا بے وقوفی اور کم عقلی کی نشانی ہے۔
انسان کو اکثر اپنی غلطی کا احساس وقت کے گذر جانے کے بعد ہوتا ہے۔
تمہارے ایمان کی نشانی تمہاری سادگی ہے۔
مصیبت سے مت گھبراؤ کہ ستارے ہمیشہ اندھیرے میں چمکتے ہیں۔
انسان کا دل اگر سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں کچھ کام نہیں آسکتیں۔

ایک قدیم دستاویز

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ایک وصیت کی تھی، بانس کے کاغذ پر لکھی ہوئی یہ وصیت آج بھی قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے وصیت کچھ اس طرح ہے:

(۱) کسی شخص کے مکان میں بغیر اجازت داخل نہ ہو، اور اگر کوئی شخص تجھے اپنے گھر میں داخل ہونے کی اجازت دے دے تو اسے اپنے لیے باعثِ عزت خیال کر۔

(۲) کسی جماعت میں شامل ہونے میں پہل نہ کرنا اور اگر شامل ہو جاؤ تو اس سے علیٰحدگی اختیار کرنے میں پہل نہ کرنا۔

(۳) عبادت خانے میں زور سے نہ بولنا، عاجزی اور رقّت سے دعا مانگنا اور اگر تو سچے دل سے دعا مانگے گا تو خدا تیری ضرور سن لے گا، اور تیری حفاظت فرمائے گا۔

(۴) جب تیرے پاس موت کا پیغام آئے تو قیل وقال نہ کرنا؛ کیوں کہ اس سے

کوئی فائدہ نہیں ہے۔

(۵) تجھے معلوم نہیں کہ تو کب مرے گا؛ اس لیے ہر آنے والے دن کو غنیمت سمجھ اور اپنی امیدوں کو طول نہ دے۔

(۶) ہر وقت یہ خیال رکھنا کہ کہیں تیری زبان کی تلوار کسی کا دل زخمی تو نہیں کر رہی ہے۔

(۷) صرف ایک وفادار خدمت گزار رکھ، اس کی نگرانی کر اور اس کی حفاظت کر؛ کیوں کہ وہ تیری حفاظت کرے گا۔

(۸) خدا کا ناشکرانہ ہونا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی ناراضگی تجھے کسی بڑی آفت میں مبتلا کر دے۔

(۹) اگر تو بری بات منہ سے نکالے تو تجھے بھلی بات سننے کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

چاہتے ہو

(۱) دنیا کو دیکھنا چاہتے ہو تو جہنم کی آنکھ سے دیکھو۔

(۲) بولنا چاہتے ہو تو ''شہد'' کی زبان سے بولو۔

(۳) صبر کرنا چاہتے ہو تو طاقتور ظالم کو دیکھ کر اور اس کے ظلم پر صبر کرو۔

(۴) پڑھنا چاہتے ہو تو ایمان کی کتاب پڑھو۔

(۵) لکھنا چاہتے ہو تو اعمال لکھو۔

(۶) طاقت صَرف کرنا چاہتے ہو تو خدا کی راہ میں صَرف کرو۔

(۷) دنیا میں اپنی حکومت چاہتے ہو تو نماز شروع کرو۔

مت پھیلا

خدا کے سوا کسی کے آگے ہاتھ مت پھیلا۔

چادر سے زیادہ پاؤں مت پھیلا۔

مجلس میں بستر مت پھیلا۔

گھر کی ضرورت سے زیادہ سامان مت پھیلا۔

علم کی فضیلت

علم عالم کو بلندی پر پہنچاتا ہے، علم فہم وفراست کا منبع ہے۔

علم حق تک پہنچانے والا ہے۔

علم بزرگی اور جہالت گمراہی ہے۔

علم زندگی اور عمل نجات ہے۔

علم عالم کے لیے پناہ گاہ ہے۔

علم سے عزت وفضیلت کا شرف حاصل ہوتا ہے۔

علم عقل کا چراغ ہے۔

علم نایاب سرمایہ ہے۔

علم بے بہا خزانہ ہے۔

علم جہالت کی تاریکی میں روشنی کا مینار ہے۔

علم ہر نیکی کی جڑ ہے۔

علم معرفت کا راستہ ہے۔

علم قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔
علم رشد و ہدایت کا سرچشمہ ہے۔
علم جلا بخشنے والا عمل ہے۔
علم امرا کی زینت اور فقرا کی امارت ہے۔
علم تمام محبتوں پر دلالت کرتا ہے۔
علم نیکی اور بدی میں تمیز پیدا کرتا ہے۔

ماں بڑوں کی نظر میں

ماں کی خدمت میں لگے رہو اس کے قدموں کے نیچے جنّت ہے۔ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)
سخت سے سخت دل انسان کو ماں کی پرنم آنکھوں سے موم کیا جا سکتا ہے۔ (علامہ اقبال)
ہر شخص انسانیت کی حقیقی تصویر اپنی ماں کے چہرے میں دیکھ سکتا ہے۔ (اکبر اعظم)
ماں کی محبت حقیقت کا آئینہ دار ہوتی ہے۔
میری ہر تکلیف اور غم میں میری ماں کا تصور میرے لیے فرشتۂ نجات بن کر آتا ہے۔
اس بات سے ہمیشہ ڈرو کہ ''ماں'' نفرت یا فریاد سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور اشک بھری آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھے۔
بچہ کے لیے سب سے بہترین جگہ اس کی ماں کی نرم آغوش ہے۔
مجھے ماں اور پھول میں کوئی فرق نظر نہیں آتا، دونوں برابر خوبصورت اور مہک دار ہیں۔
میں اپنی زندگی میں صرف دو ہی ہستیوں کے سامنے جھکا ہوں: ایک میرا خدا اور دوسری میری ماں۔

آسمان کا بہترین اور آخری تحفہ ماں ہے، اس کی دل وجان سے قدر کرو۔

دوستی

دوستی ایک عظیم جذبۂ پر خلوص اور بے لوث جذبات کا سمندر ہے، جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

جذبۂ دوستی ایک ایسا سمندر ہے جس کی ہر پکار یہ کہتی ہے:

د۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔داعی

و۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔وفا

س۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سدا

ت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تازہ

ی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یاد

یعنی داعیٔ وفا کے ساتھ سدا یاد تازہ رکھنا۔

والدین کے ساتھ سلوک

والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیجیے۔

والدین کے شکرگزار بنئے۔

والدین کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کیجیے۔

دل وجان سے ماں باپ کی خدمت کیجیے۔

والدین کو اپنے مال کا مالک سمجھئے۔

والدین کے لیے برابر دعا کیجیے۔

والدین کے ساتھ عاجزی، انکساری سے پیش آیئے۔

ماں

ماں اولاد کے لیے فردوسِ بریں ہے۔

ماں کے دم سے ہی زندگی کی رونق ہے۔

ماں اپنے بچوں کی کشتی کی ناخدا ہے۔

ماں اپنے اولاد کے حق میں سایۂ رحمت ہے۔

ماں صبر وتحمل کا ایک بہترین نمونہ ہے۔

ماں خیر وعافیت کی ایک حسین دیوی ہے۔

ماں ربّ العزّت کی طرف سے عطا کردہ ایک ایسا بیش بہا عطیہ ہے جس کا روئے زمین پر نعم البدل نہیں ہے۔

ماں راحت وشادمانی کا نغمہ سنانے والی نسیمِ سحر ہے۔

ماں کی ممتا کا دنیا میں کوئی جواب نہیں ہے۔

ماں اپنے ننھے منے بچے کو رس سے بھری ہوئی میٹھی لوریاں سنا کر نیند کی آغوش میں سلا دینے والی ایک بلبل ہے۔

دو دو

(۱) دو قسم کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظرِ التفات نہ فرمائے گا: برے پڑوسی اور رشتے کاٹنے والا۔

(۲) دو چیزیں ایک گھر میں جمع نہیں ہوسکتیں: مالداری اور زناکاری

(۳) دو چیزوں کی قدر ان کے چلے جانے کے بعد ہوتی ہے: صحت اور شباب۔
(۴) دو آدمی کبھی سیر نہیں ہو سکتے: طالب علم اور طالبِ مال۔
(۵) دو چیزیں بہت کامیاب کرنے والی ہیں: اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی چارگی اور رزقِ حلال۔
(۶) دو چیزوں سے بچے رہنا ضروری ہے: دشمن کا مکر اور دوست کا حسد۔
(۷) دو آنکھیں اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ محبوب ہیں: خوفِ خدا سے جاگنے والی اور سرحدوں کی حفاظت کرنے والی۔
(۸) دو آوازوں پر دنیا و آخرت میں پھٹکار ہوگی: اللہ کے ذکر کے وقت اور رنج و مصیبت کے وقت ہائے واویلا کرنا۔
(۹) دو لوگ سدھر جائیں گے تو امت سدھر جائے گی اگر یہ بگڑ جائیں تو امت میں بگاڑ پیدا ہو جائے: حکمراں اور علما۔

آنکھیں جو پیغام دیتی ہیں

مسکراتی ہوئی آنکھیں: جو ساری کائنات کو مسکرانے کا پیغام دیتی ہیں۔
اشکبار آنکھیں: جو پتھر کو موم کر دینے کی صفت رکھتی ہیں۔
بے قرار آنکھیں: جو دل کے کسی گوشے میں پوشیدہ کرنے کا اظہار کرتی ہیں۔
ترچھی آنکھیں: جو دل چرانے میں ماہر ہوتی ہیں۔
شریر آنکھیں: جو افکار و اقرار کی کشمکش میں مبتلا کرتی ہیں۔
متبسم آنکھیں: جو امیدوں کا خواب دکھاتی ہیں۔

مخمور آنکھیں: جو جامِ الفت پلاتی ہیں۔
فیاض آنکھیں: جو رقیت کو بھی معاف کر دیتی ہیں۔

بوجھئے اور مسکرایئے

آدھا پاگل کون شخص ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ (عاشق)
گیا ہوا سامان بنا مانگے کس کے یہاں سے واپس نہیں آتا۔۔؟ (پڑوسی)
آدمی عورت کا غلام کیسے بنتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ (پیار سے)
سب سے بڑا دشمن کون ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ (بڑھاپا)
ہمیشہ اپنا رونا کون روتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ (سرمایہ دار)
دل توڑنے کا اچھا اور آسان طریقہ کیا ہے۔۔۔۔۔؟ (برے الفاظ بولنا)
سُندر شادی شدہ عورت کی پہچان ہے تو شادی شدہ مرد کی پہچان کیا ہے۔۔۔۔۔؟ (دھنسی آنکھیں)
پیسے کے بل بوتے پر دنیا کا ہر کام ہوجاتا ہے صرف ایک کام نہیں ہوتا۔۔۔۔۔؟ (مردہ زندہ نہیں ہوتا)
آپ کو صحت یاب دیکھ کر دشمن کے علاوہ اور کسے خوشی نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ (ڈاکٹر)
بڑا ہونے کے بعد کون اپنی تاریخِ پیدائش چھپاتا ہے۔۔۔۔؟ (لڑکی)
آرام چند پل کا، اور وبال زندگی بھر کا، یہ کس کا نتیجہ ہے۔۔؟ (شادی)
وہ کون سی جگہ ہے جہاں جا کر تھوڑی دیر کے لیے انسان سب کچھ بھول جاتا

ہے۔۔۔۔۔؟ (قبرستان)

دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور ہیں چند گرم قطرے؟ (عورت کے آنسو)

جوان کو زیادہ خطرناک کون بناتا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔؟ (عورت کی ادائیں)

کب گھر کی ساری چیزیں باہر آتی ہیں۔۔۔۔۔۔۔؟ (مہمان کے آنے پر)

آپ کے کان کون کاٹتا ہے۔۔۔۔۔۔؟ (آپ کا بیٹا)

آپ کے سر کے بال کون صاف کرتا ہے۔۔۔؟ (آپ کی بیٹی کا جہیز)

آنے والی نسل کے بزرگ کون ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟ (آج کے بچے)

خوش کلامی

مسندِ احمد بن حنبل میں مروی ہے کہ ایک بار ایک صحابی نے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ ڈر کس کا ہونا چاہیے؟

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اس کا، اور پھر ارشاد فرمایا: خوش کلامی جنت کی اور بدکلامی دوزخ کی نشان دہی کرتی ہے۔

خوش کلامی درحقیقت خوش اخلاقی ہے، اور خوش اخلاقی قطعی طور پر ایمان ہے، ایمان اور اخلاق دونوں ہم معنی، اور ہم مفہوم ہیں، اگر انسان کے اخلاق بلند ہے تو لازماً وہ خوش کلام بھی ہوگا، دراصل خوش کلامی اور خوش گفتاری، یعنی آپس میں احترام واکرام اور اخلاق سے بات کرنا اخلاق کی بلندی کا مظہر ہے۔ قرآن مجید وفرقانِ حمید کی سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقُل لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَن﴾ ترجمہ: اور میرے بندوں سے کہہ دو جو بات کہیں خوش کلامی کے ساتھ ہو۔

خوش کلامی زبان کا صدقہ ہے۔

خوش کلامی علم کی اولادِ معنوی ہے۔

خوش کلامی صراطِ مستقیم کی طرف لے جاتی ہے۔

خوش کلامی ایسی طاقت ہے کہ جو صداقت کو الفاظ کا جامہ پہناتی ہے۔

خوش کلامی اور صداقت انسان کو بے خوف بناتی ہے۔

خوش کلامی سے ہزاروں بار قیامِ امن کا پلہ جھک گیا ہے۔

آیئے! بسم اللہ کریں اور آج سے یہ فیصلہ کریں کہ اب ہم ہمیشہ خوش کلامی کو اختیار کریں گے، یقین کیجیے کہ یہ فیصلہ اگر ہر فردِ وطن کرے تو ہندوستان کی قسمت بدل سکتی ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہمیں فہم وفراست کی نعمتوں سے مالا مال فرمائیں اور حسنِ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حمدِ پاک

جب سے ہونٹوں پہ یا رب! تیرا نام آیا		تیرے بیمار کو کافی آرام ہے
تو نے بخشا ہمیں نورِ اسلام ہے		ہم پہ تیرا حقیقی یہ انعام ہے
جس کو تیری غلامی سے انکار ہے		بادشاہت میں رہ کر بھی ناکام ہے
روٹھتا ہے زمانہ اگر روٹھ جائے		راضی کرنا تجھے بس میرا کام ہے
آسمانوں کی دنیا میں ہے محترم		تیری خاطر جو دنیا میں بدنام ہے
اپنے منکر کو بھی رزق دیتا ہے تو		تیری رحمت تو ہر ایک پر عام ہے
ہاں قدم کا اٹھانا میرا کام تھا		پار بیڑا لگانا تیرا کام ہے

جس کو سجدے کی حالت میں موت آ گئی		اور اس سے حسیں کس کا انجام ہے
اور کیا چاہیے یوسفؔ خستہ کو		وقتِ آخر لبوں پہ تیرا نام ہے

نعت پاک

نبی اکرمؐ! شفیع اعظم! دکھے دلوں کا سلام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں، سلام لے لو
شکستہ کشتی ہے، تیز دھارا، نظر سے روپوش ہے کنارا
نہیں کوئی ناخدا ہمارا، خبر تو عالی مقام لے لو
عجیب مشکل میں کارواں ہے، نہ کوئی جادہ نہ پاسباں ہے
بہ شکلِ رہبر چھپے ہیں رہزن، اٹھو! ذرا انتقام لے لو
قدم قدم پے ہے خوفِ رہزن، زمیں بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن، تم ہی محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے، کبھی مذاقِ جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیر الانام لے لو
یہ کیسی منزل پے آ گئے ہیں، نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا! تمام اپنے غلام لے لو
یہ دل میں ارماں ہے اپنے طیبؔ! مزارِ اقدس پے جا کے ایک دن
سناؤں ان کو میں حال دل کا، کہوں میں ان سے سلام لے لو

اشعار

یہ دلوں کا حال چہرے سے کہاں معلوم ہوتا ہے
کہ پیشانی پے ''چندن'' تو سبھی سادھو لگاتے ہیں

آدمی سے آدمی آج کیوں بے زار ہے		پیار تو ہے ہی نہیں؛ بس! ہر طرف تکرار ہے
زندگی کے سفر میں تھک گئے ہیں ہم بہت		آؤ! کچھ مل کے بیٹھیں سایۂ اشجار میں

دل کی دنیا بسا کے دیکھ چکا تم کو اپنا بنا کے دیکھ چکا
کوئی اپنا نہیں زمانہ میں درد کو دل بنا کر دیکھ چکا

دل کو زخموں سے اب کہاں ہے مفر؟		تجھ کو اکثر بھلا کے دیکھ چکا
عشق رسوائی ہے بہر صورت		میں ظفر آزما کے دیکھ چکا

شام کٹی انتظار میں شب آنکھوں میں
ملاقات میں سحر ہوِ یہ ضروری تو نہیں
نیند تو نیند ہے آجائے گی پھانسی کے پھندے پر بھی
ان کی گداز بانہوں میں سر ہوِ یہ ضروری تو نہیں
ہم نے انتظار میں ان کے گزاری ہے زندگی
میرا بھی کوئی منتظر ہوِ یہ ضروری تو نہیں

یہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ باغباں اپنا		بنایا آہ! کس گلشن میں ہم نے آشیانہ اپنا

جب بدلتے ہیں شب و روز بدل جاتے ہیں لوگ
وقت کے ساتھ نئے روپ میں ڈھل جاتے ہیں لوگ
صرف شعلوں ہی سے چہرے نہیں جھلسا کرتے
بعض اوقات شبنم سے بھی جل جاتے ہیں لوگ
تیری باتوں کی حلاوت بھی عجب ہے
گفتگو سنتے ہیں تیری تو پگھل جاتے ہیں لوگ

عشقِ بُتاں کروں کہ یادِ خدا کروں		دو دن کی زندگی میں بتاؤ! میں کیا کروں
جہاں میری کتابِ دل ہے وہاں اور کچھ نہیں		تیرا نام ابتدا ہے تیرا نام آخری ہے

اپنوں کی محبت سے خدا مجھ کو بچائے		غیروں کی عداوت کا سہارا ہی بہت ہے

مسلتا ہے کوئی بے درد جب کھلتی ہوئی کلیاں
میرا آئینۂ دل ٹوٹا معلوم ہوتا ہے
نہ پوچھو درد کے ماروں پر اُس دم کیا گذرتی ہے
اجرتا گلشنِ امید جب معلوم ہوتا ہے
کوئی بے بس سناتا ہے جب اپنی داستانِ غم
مجھے اس کا یہ غم اپنا ہی معلوم ہوتا ہے

کھا کر تیرے طمانچے اے گردشِ زمانہ!		گذر رہی ہے زندگانی تاہم خوشی کے ساتھ
سلیم! کیوں کسی کو میں الزام دوں		میں تو خود اپنی ہی نظروں میں خوار ہوں

مسکراتی ہوئی آنکھوں پہ نہ جانا اے دل!		چند لمحوں کے لیے ہی یہ کلیاں کھلتی ہیں
حسنِ تحریر سے ظاہر ہے تیرے دل کا خلوص		خط کا ہر لفظ محبت کا پتہ دیتا ہے

دل کے زخموں سے چرا کر تازگی لے آئے ہیں
کیسے کیسے اپنے ہونٹوں تک ہنسی لے آئے ہیں

تو بن کے پھول مہکے یونہی ہمیشہ		شاداب تیرے دم سے رہے باغ ہمارا

جن پتھروں کو ہم نے عطا کی تھیں دھڑکنیں
جب بولنے لگے تو ہمیں پر برس پڑے
اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے! کس گلی میں زندگی کی شام ہوجائے

دشمنوں سے پیار ہوجائے گا		دوستوں کو آزما کر دیکھیے

تدبیر کے دستِ زرّیں سے تقدیر درخشاں ہوتی ہے
قدرت بھی مدد فرماتی ہے جب کوششِ انساں ہوتی ہے
مانگی ہوئی راحت سے بے چینیاں بہتر ہیں
خیرات کی نیندوں کا ہر خواب پیارا ہے

کسی کو گھر سے نکلتے ہی مل گئی منزل		کوئی ہماری طرح عمر بھر سفر میں رہا
دنیا سے کوئی چیز ادھار نہیں لیں گے		کفن بھی لیں گے تو زندگی اپنی دے کر

میرے الجھے ہوئے گیسو کو پھر سے سنوار دے
میرے اجڑے ہوئے چمن کو پھر سے بہار دے

میرے جنوں کو زلف کے سائے سے دور رکھ
رستے میں چھاؤں پا کے مسافر ٹھہر نہ جائے

وہ خود آئے ہیں کہ آنکھوں میں کوئی تصویر ہے
یا خدا! خواب ہے یا خواب کی تعبیر ہے
چہرے کو کبھی غم کا نشاں بننے نہ دیں گے
مٹ جائیں گے حالات کے ہاتھوں بھلے ہم

کون کہتا ہے کہ دل جلے اور دھواں نہ اٹھے		چوٹ پڑنے پر پتھر بھی صدا دیتے ہیں
اس سادگی پر کون نہ مرجائے اے خدا!		لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار نہیں

زخموں کا دردِ جسمانی تو مٹ جائے گا ایک دن
لفظوں کے تیر رہیں گے ہمیشہ پیوستِ جگر

پل بھر کا بھروسہ بھی نہیں زیست کا یارو!		منڈلاتی ہوئی سر پہ قضا دیکھ رہے ہیں

نذر دے کے ساقی! نظر کیا ملائیں		نہ زر ہے نہ ذریعہ! نظر کیا ملائیں
در بدر یوں ٹھوکریں کھانے سے کیا ہوگا		خدا پر کر بھروسہ ناداں! گھبرانے سے کیا ہوگا

ان کے آنے سے جو آجاتی ہے چہرے پے رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

آئینہ ٹوٹ بھی جائے تو کوئی بات نہیں		دل نہ ٹوٹے کہ یہ بکتا نہیں بازاروں میں

دھن دولت کے پیچھے کیوں ہے یہ دنیا دیوانی
یاں کی دولت یہاں رہے گی ساتھ نہیں یہ جانی

یہی دستورِ دنیا ہے تو دنیا سے شکایت کیا		کسی کو چوٹ لگتی ہے تو کوئی مسکرتا ہے

لطیف رہ نہیں سکتی جو زن ہو بے پردہ		سبب یہ ہے کہ نگاہوں کی مار پڑتی ہے
میدانِ امتحان سے گھبرا کر ہٹ نہ جانا		تکمیلِ زندگی ہے چوٹوں پہ چوٹ کھانا

رنج و غم جان کر اٹھاتا ہوں		چوٹ کھا کر بھی مسکراتا ہوں
میں زمانے کا ہر ستم سہہ کر		درد کا حوصلہ بڑھاتا ہوں

چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عَنادِل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

شمع میں طاقت کہاں جو ایک پروانے میں ہے
لطف جینے میں نہیں؛ جل جل کے مرجانے میں ہے

چمن کے پتے پتے پر لہو میرا چمکتا ہے		مگر پھر بھی چمن والے مجھے غدار کہتے ہیں

حسنِ صورت چند روزہ، حسنِ سیرت مستقل
اس سے خوش ہوتی ہیں آنکھیں، اُس سے خوش ہوتا ہے دل

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا! لوح وقلم تیرے ہیں

سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

آئے بھی اکیلا جائے بھی اکیلا — دو دن کی زندگی ہے دو دن کا میلا

ایک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے اک درد جگر میں ہوتا ہے
ہم رات کو اٹھ اٹھ روتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

شدتِ غم میں ہونٹوں سے ہنسی جاتی نہیں — زندگی مردہ ہے اور زندہ دلی جاتی نہیں
مجھ ہی کو فکر نہیں قافلے سے چھٹنے کا — تجھے اے زندگی! ہم دور سے پہچان لیتے ہیں

ان کو بھلا سکیں گے نہ اہلِ جہاں کبھی — جو لوگ زندگی میں کوئی کام کر گئے

آئے بھی لوگ، بیٹھے بھی، اٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں ’’جا‘‘ ہی ڈھونڈتا تری محفل میں رہ گیا

حاسد تو جل کے رہ گیا خود اپنی آگ میں — ہم ہیں کہ فضلِ خدا سے اور سنور گئے

اونچے اونچے محل بن گئے ہیں یہاں — مگر پھر بھی انسان سڑکوں پہ سوتا ہے کیوں؟
ایک سکھی ہے تو لاکھوں دُکھی ہیں یہاں — تیری نگری میں یہ الٹ پھیر ہوتا ہے کیوں؟

مت ستا ظالم! مت کسی کی آہ لے
کسی کا دل دکھانے سے عرش بھی ہل جاتا ہے

ہے قولِ محمد قولِ خدا! فرمان نہ بدلا جائے گا
بدلے گا زمانہ لاکھ؛ مگر قرآن نہ بدلا جائے گا

دامن پر لگے دھبّوں کا آسان ہے دھونا
مگر دل پے لگے ہیں جو داغ؛ اسے کون مٹا سکے

دوزخ اگر وسیع ہے تو رحمت وسیع تر
''لا تقنطوا'' جواب ہے ''ھل من مزید'' کا

زندگی میں گستاخی کریں گے ایک بار
ساتھی سب چلیں گے پیدل، ہم جنازے پے سوار

ذلت کی امیری سے فقیری اچھی		آزادئ بے جا سے اسیری اچھی
گو ضعف و نقاہت ہو حد سے کمال		بدنام جوانی سے تو پیری اچھی

نہیں ہے غم کہ مجھے غم عطا کیا تو نے		کرم کیا کہ مجھ اپنا بنایا تو نے
اسی ادا پے تیری مرمٹے ہیں دیوانے		ہوئی خطا تو چھپا لیا تو نے

صداقت ہو تو دل سینے سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ!
حقیقت مان لی جاتی ہے منوائی نہیں جاتی

طلاق دے تو رہے ہو غرور وقہر کے ساتھ
میرا شباب بھی لوٹا دو میرے مہر کے ساتھ

سر جھکا دیتے ہیں سب اپنے خدا کے سامنے
شاہ تک مجبور ہوتے ہیں قضا کے سامنے

عیب اوروں کے جو گنتے ہیں خود کو دیکھیں
سر نہ اٹھ پائے گا جب خود پہ نظر جائے گی

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی		اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

نہ گھبرا شدتِ رنج و الم سے زندگانی میں
کہ گل آنے سے پہلے برگِ گل میں خار آتے ہیں

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر
مکتبِ عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا
نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں
دل بھر گیا ہے دنیا سے بس ایک تمنا ہے
تو ہو اور تیرا جلوہ ہو اور گوشۂ تنہائی

کچھ شمع کی لَو میں تاثیرِ کشش ہوگی	ہوتا نہیں شیدائی ہر آگ کا پروانہ

بس ''نصرٌ من اللہ'' ظفر کا ہے عقیدہ	دے گا وہ خوشی بھی مجھے غم جس نے دیا ہے
نہ اتنا ٹوٹ کر ملیے کہ دل کو شک گذرے	خلوص میں بھی ضروری ہے فاصلہ رکھنا
کرو مہربانی تم اہل زمیں پر	خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر
دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے	''پر'' نہیں؛ طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

ہنسنا بھی یہاں ہے رونا بھی، دل کش بھی ہے دنیا فانی بھی
جینا بھی ہے آبادی بھی، مرنا بھی ہے اور ویرانی بھی
کیا تم سے بتائیں: عمرِ فانی کیا تھی بچپن کیا چیز تھا جوانی کیا تھی؟
یہ گل کی مہک تھی، وہ ہوا کا جھونکا، ایک موجِ فنا تھی زندگانی کیا تھی؟

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو	جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

شمع روشن ہے ہماری آہ سے	لَو لگائے بیٹھے ہیں اللہ سے

جوانی کی دعائیں مانگی جاتی تھیں لڑکپن میں
لڑکپن کے مزے اب یاد کرتے ہیں جوانی میں

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کر سرِ عام رکھ دیا

عمر تو ساری کٹی عشقِ بُتاں میں مؤمنؔ
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے!

عشق پر زور نہیں، یہ وہ آتش ہے غالبؔ		جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

لگے ہیں پھولوں کے انبار آج مرقد پر		تمام عمر ترستے رہے ایک کلی کے لیے

دعویٰ اس شان سے کرتا ہے ڈبو دینے کا		ناخدا ہی میری کشتی کا خدا ہو جیسے

گلشن پرست ہوں مجھے گل ہی نہیں عزیز		کانٹوں سے بھی نباہ کیے جا رہا ہوں میں
وہ آئیں گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت!		کبھی ہم اُن کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

میری دعاؤں میں اتنا اثر تو دے یارب!		کہ برق میرا نشیمن جلا کے پچھتائے

ایک نقطے نے ہمیں ''محرم'' سے ''مجرم'' کر دیا
ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے

اچھے عیسیٰ ہو مریضوں کا خیال اچھا ہے!
ہم مرے جاتے ہیں، تم کہتے ہو: حال اچھا ہے

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے		مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے
موت و ہستی کی کشاکش میں کٹی عمر تمام
غم نے جینے نہ دیا، شوق نے مرنے نہ دیا

اب تو جاتے ہیں مے کدے سے میرؔ		پھر ملیں گے گر خدا لایا